

آپ یقیناً جانتے ہیں کہ طب چین میں سویوں اور دباؤ کے علاج سے جسم میں کسی جگہ ہوئی تو انائی (چی) کو رواں کیا جاتا ہے۔ اب ہر شخص کے لئے اکیو پینچر کی مدد لینا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے اس کے بجائے جسم کے مخصوص حصوں پر دباؤ ڈال کر وہاں ”چی“ کو رواں دواں کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے میکا نیگل پنسل یعنی وہ پن نما پنسل استعمال کی جاتی ہے کہ جس میں سکے کی تیلی (پنسل) ڈلی ہوتی ہے اور اسے لکھنے کے لئے ہن دبا کر آگے نکالا جاتا ہے اور کام ہونے کے بعد ہن دبا کر واپس کر دیا جاتا ہے۔ اسی خود کار عمل کی وجہ سے یہ میکا نیگل کہلاتی ہے۔ اس کا منہ چوں کہ پتلا ہوتا ہے، اس لئے اس کا دباؤ سوئی کا سا کام کرتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پنسل کی تیلی اندر رہے، ورنہ یہ گوشت میں دھنس جائے گی۔

اکیو پریشر کے مقامات

میکا نیگل پنسل کی نوک (نوزل) ناک اور اوپر کے ہونٹ کی درمیان ناکا کرکٹی سیکنڈ تک خوب دباؤ ڈالئے۔ یہ عمل 5 سے 10 مرتبہ دہرائئے یہاں تک کہ درد گھٹنے لگے۔

میکا نیگل پنسل کی نوک (نوزل) منجھ کی ہڈی اور ایڑی سے شروع ہو کر نوپرنڈلی میں جانے والی موٹی رگ کے درمیان رکھ کر کئی سیکنڈ تک اچھی طرح دبائیے اور

ہٹالیجئے۔ یہ عمل 5 سے 10 منٹ تک کیجئے۔ اپنی مٹھی بند کر لیجئے۔ آپ کی چھوٹی انگلی کے پاس ہتھیلی کا جو گوشت نوک کی صورت میں ابھرے، وہاں میکا نیگل پنسل کے منہ سے خوب دباؤ ڈالیے۔ کئی سیکنڈ کے بعد ہٹالیجئے۔ یہ عمل 5 سے 10 منٹ تک کرتے رہئے۔

گہرے اور خوب دباؤ کا مقصد یہ نہیں کہ آپ زور لگا کر ان مقامات کو زخمی کر لیں۔

بیٹھے رہنے سے درد

متواتر ایک پوزیشن میں بیٹھے رہنے سے بھی کمر پر دباؤ کے نتیجے میں درد ہو جاتا ہے، کیونکہ پٹھے دبے اور ٹانگوں کے پھسلے پٹھوں کے حرکت نہ کرنے کی وجہ سے سکڑ جاتے ہیں اور جب آپ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو ان میں اور پیروں میں اکڑاؤ اور کھنچاؤ سے درد کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ دراصل انہیں اپنی درست پوزیشن میں آنے میں وقت لگتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ:

۱۔ فرش پر چٹ لیٹ جائیے۔ گھٹنے کھڑے رہیں اور نیچے فرش پر نکلے ہوں۔

۲۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی دائیں ران تھام کر اسے سینے کی طرف لائیے اور جہاں تک اسے آپ آرام سے لاسکیں ل سینے کی جانب لانے کی کوشش کیجئے۔

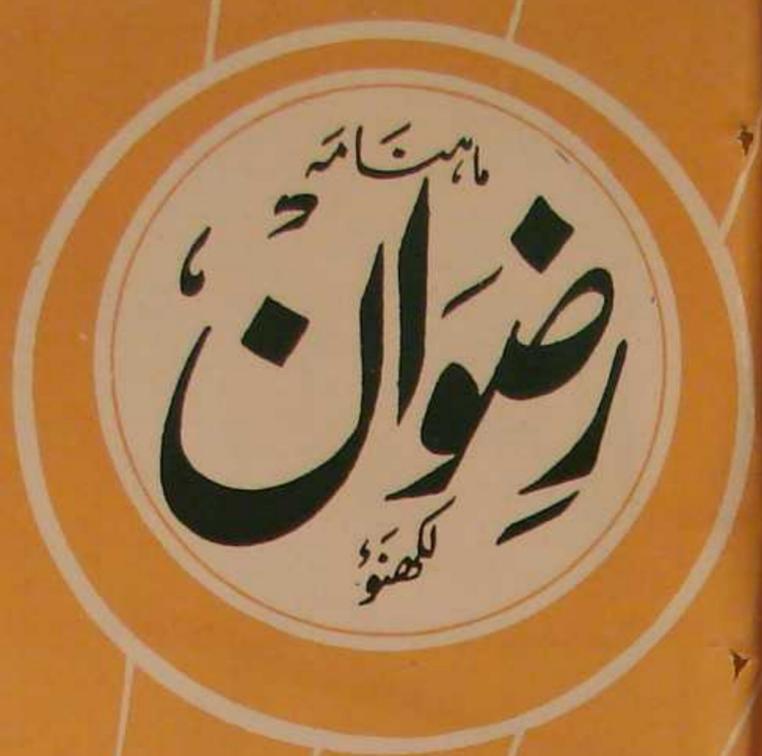
۳۔ اس پوزیشن میں 10 سے 20 سیکنڈ

تک رہیے اور پھر پیر کو پہلی پوزیشن پر لے آئیے اور دوسری ران کو اسی طرح سینے کی طرف لائیے۔ اس دوران اگر درد زیادہ محسوس ہو تو ورزش بند کر دیجئے۔ جب آپ یہ ورزش آرام سے کرنے لگیں تو دوسری ٹانگ کو فرش پر دراز رکھئے۔ ٹانگ کو سینے کی طرف کھینچنے کے لئے آپ رسی یا تولیے سے بھی کام لے سکتے ہیں۔

بال چھڑ کی جانے

بال چھڑ میں جسے ”بلی لوٹن“ بھی کہتے ہیں، درد دور کرنے اور نیند لانے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ ان ورزشوں کے علاوہ اگر دوا کی ضرورت بھی محسوس ہو تو دیگر درد ربا اشیا کی مضر توتوں سے محفوظ رہنے کے لئے بالچھڑ کے سفوف (ایک چائے کا چمچ) کو چائے کی طرح گرم پانی میں دم دے کر چھان کر پینے سے درد دور ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ طب میں اسے اس مقصد کے لئے خوب استعمال کرتے ہیں۔ بالچھڑ کو ہندی میں جٹامانسی کہتے ہیں۔ اس میں بلڈ پریشر کم کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ ہندستان میں اس مقصد کے لئے اس سے ”جٹامون سون“ نام کا جوہر تیار کیا گیا ہے۔ مغربی ملکوں میں اس کے سفوف کے کپسول اسٹور پر ملتے ہیں۔





LW/NP - 184

RIZWAN

R.N. 2416 | 57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road

Lucknow-226 018

Ph. 270406

حدیث کی مشہور کتاب

ریاض الصالحین

کاسیس و شاکفتہ اردو ترجمہ

جس میں وہ روایات ہیں جو فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح و تہذیب اور زندگی کے روزمرہ احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں

مقدمہ

علامہ سید سلیمان ندوی

زلزال سفر

مترجمہ

محترمہ امہ انسہان (موجودہ)

یہ کتاب

بہترین مصلحہ مربی اور مرشد کا کام کرتی ہے

ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر

احادیث میں ذیلی عنوانات جگہ جگہ موضوع کی ہدایت

کرتے ہیں۔ بہترین کتابت

فوتو آفیسٹ کی طباعت

قیمت حصہ اول / روپے - قیمت حصہ دوم روپے

مکتبہ اسلامیہ لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
خواتین کا ترجمان

خواتین
کا ترجمان

ماہنامہ

لکھنؤ

رضوان

شمارہ ۹

ستمبر ۲۰۰۱ء

جلد ۲۵

سالانہ چندہ

♦ برائے ہندوستان : ۱۰۰ روپے
♦ غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۲۵ امریکی ڈالر
♦ فی شمارہ : ۹ روپے

ایڈیٹر : محمد حمزہ حسنی

معاونین

♦ اُمامہ حسنی ♦ میونہ حسنی
♦ اسحاق حسینی ♦ جعفر مسعود حسنی

نوٹ : ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۵۳/۱۷۲، محمد علی لین، گون روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸

ناشر کمپیوٹر لکھنؤ

PH. 281223

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے
نظامی آفسٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان، محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ :

اپنی بہتر سزا!

ایک اہم چیز جو بڑا اثر رکھتی ہے اور ملی و اجتماعی زندگی میں بھی اس کے اثرات بڑے وسیع اور گہرے ہیں وہ مسلمانوں کا اپنے ذاتی معاملات پر اور اپنی دلچسپی کی چیزوں پر اسراف اور فضول خرچی، شہرت اور جھوٹی عزت کے حاصل کرنے اور رسم و رواج کی پابندی پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنا اور اپنے بڑے بیویوں، عزیزوں اور ملت کے دوسرے افراد کے فقر و فاقہ پریشانی اور ان کے افسوس ناک حالات سے آنکھیں بند کر لینا اور بے حسی ہے جس میں آج کل مسلمان عام طور پر مبتلا ہو چکے ہیں، اور ملی و دینی حمیت و غیرت ان کے دلوں سے نکل چکی ہے۔

اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کی حکیم و عادل ذات اور اس کی رحمت عامہ کی صفات کے لئے غضب اور سخت ناپسندیدگی کا باعث ہے، کہ ایک ایسے ماحول و زمانہ میں جہاں ایک کثیر تعداد فقر و فاقہ میں مبتلا ہو، مریض دوا سے محروم ہوں، شریف مرد و عورتیں اپنے جسم کو چھپانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، کسی بیوہ اور یتیم کا چولہا نہ جلتا ہو، کسی غریب کے گھر میں دیانہ ہو، ایک ایک دعوت اور ایک ایک تقریب میں ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کئے جائیں۔

اس سلسلہ کی سب سے زیادہ قابل ملامت اور نفرت اور غضب الہی کو دعوت دینے والی چیز لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ جہیز اور رقم کا مطالبہ اور فرمائشوں کی فہرست ہے جو لڑکے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اور اس کو رشتہ کی شرط قرار دیا جاتا ہے، کہیں اس کو ”تلک“ کی رسم کہیں ”سلا می“ اور کہیں ”گھوڑے جوڑے“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لڑکی کو اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دینا خلاف شرع و سنت نہیں ہے، بلکہ درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی ہے، بلکہ مباح اور اچھی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ زہرا کو شادی کے وقت روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں دیں۔ صحابہ کرام نے بھی اپنی بیٹیوں کو ضرورت کا سامان دیا وہ اب بھی جائز اور بہتر ہے لیکن اب اس کی شکل بالکل بدل گئی ہے اب نہ ہدیہ مقصود رہا ہے نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت کی طلب اور رسم کی پابندی رہ گئی ہے اور اس میں بہت سی ایسی پابندیاں شامل ہو گئی ہیں جن کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس رسم کو پورا کرنے کے لئے بعض اوقات لڑکی والے سودی قرض تک لیتے ہیں زمین جائیداد فروخت یا رہن رکھ دیتے ہیں یہ چیز جو ہندو سماج سے مسلم معاشرہ میں سرایت کر گئی ہے اس نے لڑکی کی شادی کو ایک مصیبت اور دشوار ترین کام بنا دیا ہے اور اس کی وجہ سے بڑے افسوس ناک واقعات پیش آنے لگے ہیں۔

مسلمانوں کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں یہ فرض بنتا ہے کہ ان کی موجودگی میں غیر مسلم معاشرہ میں بھی یہ ظلم نہ ہوتا نہ کہ یہ خود وہ اس کا شکار ہو گئے اور پورا مسلم معاشرہ زہر آلود ہو گیا ضرورت ہے کہ اس کے خلاف ایک طوفانی مہم چلائی جائے اور مسلمانوں کے ملی و دینی شعور کو بیدار کیا جائے اور اس بدترین اور تباہ کن رسم کا بالکل خاتمہ کیا جائے۔

۳	مدیہ	اپنی بہنوں سے
۴	امۃ اللہ تنسیم	حدیث کی روشنی
۶	شیخ عبداللہ البرنی	نیکی کی ہدایت
۸	محمد جاوید اشرف میرٹھی	۱۸ کان عبدالشکور
۱۲	محمد جواد اشرف میرٹھی	رحمت عالم کی ازدواجی زندگی
۱۶	عبدالرزاق جاگلٹرا	زندگی کی تعمیر میں خواتین کا کردار
۱۹	مولانا سعید الرحمن اعظمی	توبہ کشادگی رزق کا ذریعہ
۲۳	ڈاکٹر فضل الہی	پردہ کی ضرورت
۲۵	مفتی احسان اللہ شائق	اسلام میں تعلیم کی اہمیت
۲۹	مفتی عتیق الرحمن عثمانی	دعوت اسلام میں خواتین کا کردار
۳۲	محمد البصارتوی	کیا زمانے میں پنپنے کی
۳۵	سید حامد	اسلام میں انتخاب
۳۸	ملک احمد سرور	طب و صحت
	سید صادق ابدالی	

گھر والوں پر خرچ

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (بقرہ - ع ۳۰)
لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ. وَمَن قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا. (طلاق - ع ۱)
وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ. (سبا - ع ۵۴)

جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے (دودھ پلانے والی عورتوں کا) کھانا اور کپڑا بھلائی کے ساتھ۔

اور اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرو جتنی گنجائش ہو اور جس پر خرچ تنگ ہو گیا تو اس کو چاہئے کہ اس چیز کو خرچ کرے جو اس کو اللہ نے دیا ہے اور اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ تم نے کسی چیز سے جو کچھ خرچ کیا اس کا نعم البدل عطا ہوگا۔

گھر والوں پر خرچ کرنے کا اجر سب سے زیادہ ہے

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا۔ ایک دینار گردن کے آزاد کرنے میں۔

ایک دینار مسکینوں پر صدقہ کیا اور ایک دینار گھر والوں پر خرچ کیا، سو جو دینار گھر والوں پر خرچ کیا اس کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔ (مسلم)

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل ترین وہ دینار ہے جس کو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور ان جانوروں پر خرچ کیا جائے جو اللہ کے راستے میں کام آئیں اور وہ دینار جو اللہ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کیا جائے۔

بیوی کو کھلانے کا ثواب

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی خوشی چاہتے ہوئے جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اس کا اجر دے گا، چاہے اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ رکھو۔ (بخاری - مسلم)

اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میری وہ اولاد جو پہلے شوہر سے ہے ان پر خرچ کرنے میں اجر

ہے، میں ان کو بری حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتی اور وہ میری ہی تو اولاد ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں جو کچھ تم خرچ کرو گی تمہیں اجر ملے گا۔ (بخاری - مسلم)

گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرنا

حضرت ابو مسعود البدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد اپنے گھر والوں پر اجر طلب کرتے ہوئے خرچ کرے تو صدقہ ہے۔

(بخاری - مسلم)

اپنے متعلقین کی مدد نہ کرنا بڑا گناہ ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا گناہ یہی کافی ہے کہ جس کا کفیل ہو اس کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے۔ (ابوداؤد - مسلم)

خرچ کرنے کیلئے نعم البدل کی دعا

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ اللہ خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیلوں کو نقصان اور تباہی دے۔ (بخاری - مسلم)

محبوب چیز کا خرچ کرنا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ. (آل عمران ع ۹۴)
يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ

طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ. (بقرہ ع ۲۷)

اس وقت تک نیکی کو نہ پہنچو گے جب تک کوئی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔

اے ایمان والو! پاک چیزوں کو خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے زمین سے نکالی ہیں خاص طور سے خراب ہی چیز نہ خرچ کرو۔

ایک صحابی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال راہ خدام میں دینا

حضرت انس سے روایت ہے کہ انصار میں ابو طلحہ سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کے مال میں ان کو بیڑہ بہت پسند تھے اور وہ مسجد کے سامنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی پیتے جو بہت شیریں تھا۔

حضرت انس کہتے ہیں جب یہ آیت اتری لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ تو حضرت ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ اور مجھے اپنے مال میں بیڑہ بہت مرغوب ہے، میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے ذخیرہ اور نیکی کی امید اللہ سے رکھتا ہوں پس آپ اس کو جہاں اللہ کا حکم ہو وقف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اوہو یہ مال تو بہت نفع کا ہے۔ یہ مال تو بہت

نفع کا ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سنا۔ پھر اس کو حضرت ابو طلحہ نے اپنے چچا زاد میری رائے یہ ہے کہ اس کو اپنے قرابت داروں کے لئے وقف کر دو۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جو آپ کی مرضی ہو،

بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری - مسلم)



آج کل روشن خیال

علماء کے دل و دماغ میں یہ پستی کی وجہ انکی جدید علوم ہے اس مغالطہ نے رفتہ

مدارس کی نئی آزمائش

دانشوروں اور کچھ تجدد زدہ بات بیٹھ گئی ہے کہ مسلمانوں کی خاص طور پر سائنس سے ناواقفیت رفتہ رفتہ مدارس کو اس سحر میں گرفتار کر دیا ہے کہ اس تبدیلی کے بغیر وہ بیک ورڈ رہیں گے اور ملت اسلامیہ سرخرو نہ ہو سکے گی۔ ہوشیار لوگوں نے اس زور سے یہ ڈھول پیٹا ہے کہ بڑے سمجھ دار لوگ اس جھانڑ کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور منصب نبوت کے حاملین اپنی پٹری بد لئے کیلئے تیار ہیں۔ ان مدارس کے ذمہ داروں کا حال اس لومڑی کا ہو رہا ہے جس کی دم اس حماقت میں کٹ گئی تھی کہ اس کو دن میں تارے دیکھنے کا یقین دلادیا گیا تھا۔

جو لوگ سائنس پڑھنے میں پورا وقت صرف کرتے ہیں ان سے کوئی یہ کہنے کی جرات نہیں کرتا ہے کہ جدید علوم کی تحصیل کے ساتھ دینی علوم میں بھی استعداد پیدا کرنا چاہئے۔ منصب نبوت کا سب سے بڑا اور امتیازی وصف ہے خدا کی ذات سے مثالی تعلق اور مثالی تقویٰ اور انسانوں کی ہدایت۔ جدید سائنس کی پیوند کاری اس کے ساتھ فٹ نہیں بیٹھتی۔ آدمی نہ سائنس داں بنتا ہے اور نہ منصب نبوت کے فشا کا امین۔ نتیجہ میں ایک ایسا عجیب مرکب تیار ہوتا ہے کہ اسے معدہ ہضم نہیں کرتا۔

اگر معاشرہ میں اس قسم کی پود تیار ہوئی تو جو اصل کام ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کا بدل جدید طبقہ کے پاس بھی نہیں۔ تقسیم کار تو یہ ممکن ہے کہ جدید طبقہ جدید چیزوں کو حاصل کرے لیکن ایک محدود طبقہ دین کو اصل خصوصیات کے ساتھ یعنی علم و عمل کیساتھ حاصل کرے اسکے وجود سے معاشرہ میں صلاح و خیر عام ہو دنیا کے ہر طبقہ میں ایسے صالح عنصر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام کا تو یہ بنیادی مسئلہ ہے اسلام اس طبقہ کے بغیر اپنا وجود کھودے گا۔ مسلمان اپنے حقیقی اسلام کیساتھ ساری دنیا میں قابل قبول ہوئے۔ محض سائنسی علوم کی بدولت نہیں۔ پانی کی ایک حقیقت اسکی افادیت اور ضرورت ہے لیکن مشروبات اس کی جگہ نہیں لے سکتے خواہ پیپسی اور کوکولا ہی کیوں نہ ہو۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

نیکی کی ہدایت اور برائی سے روکنا

اہل ایمان کی خاص صفت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دینی رفیق اور مددگار ہیں۔ یہ لوگ نیک کاموں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں اور بری کاموں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں پر خاص رحمت نازل فرمائے گا۔

(سورۃ التوبہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جب برائی دیکھے تو اس کو اپنے بازو سے بدل ڈالے (یعنی برائی کرنے والے کو طاقت کے ذریعہ روک دے) اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اور ٹوک دے۔ اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اس کو ضرور برا جانے اور یہ عمل (یعنی زبان سے نہ روکنا صرف دل سے برا جاننا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر بہت بڑا فریضہ ہے جسے اکثر مسلمانوں نے چھوڑ رکھا

ان کے غیر اسلامی طرز زندگی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ طور طریق اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والے نہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے اور پریشانیاں آتی ہیں تو بلبلا تے ہیں۔ وظیفے پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ دعا کیسے قبول ہو، جب گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

بہت سے والدین ایسے بھی ہیں جو خود تو نمازی ہیں، تہجد گزار ہیں، ذکر و فکر اور تلاوت و تسبیح کا اہتمام بھی کرتے ہیں، لیکن اولاد کو گناہوں سے نہیں روکتے۔ کسی بیٹے اور بیٹی سے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے آج کوئی نماز قضا تو نہیں کی؟

لڑکے گانے بجانے کے دل دادہ ہیں اور وضع قطع بھی کافروں جیسی بنا رکھی ہے۔ بیٹیاں پردے کو دقیا نوسی سمجھتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کی ذہنی تربیت نہیں ہوئی اور ان کے والد صاحب اپنے گھمنڈ میں ہیں کہ بڑا عبادت گزار اور پابیز گار ہوں، لیکن ایسی عبادت کیا کام آئے گی جو اپنے فرائض اور ذمے داریوں سے فرار کے لئے ہو؟

اشراق اور تہجد پڑھنے سے زیادہ اپنی اولاد کو دین دار بنانے اور گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرنا ضروری ہے، کیونکہ اشراق اور تہجد تو فرض نہیں جب کہ اولاد کی تربیت اور اصلاح کرنا فرض ہے جس کا

حساب دینا ہوگا۔

اسلام سراسر خیر و خوبی اور بھلائی کا نام ہے۔ اس میں برائی ذرا بھی برداشت نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ”خیر الامم“ کے لقب سے سرفراز ہوئی اور اس کی وجہ قرآن مجید نے یہ بتائی ہی کہ بھلائی اور نیکی کو پھیلانا اور برائی اور گناہ سے روکنا اس امت کا خاص امتیازی وصف ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئی کیوں کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۃ آل عمران)

جس کے دل میں ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتے دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور تلملا جاتا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں، پڑوسیوں اور دوستوں کو اس نظر سے دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہیں پھر اپنا اثر و رسوخ، طاقت، وجاہت اور عہدے کے زور سے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش کرے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ عالم یہ ہے کہ گناہ سے روکنا تو درکنار خود ان میں شرکت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ہر مسلمان اپنی طاقت اور اختیارات کے بقدر نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے پر مامور ہے، ہر مسلم حکمراں اپنے

اختیارات استعمال کرتے ہوئے معاشرے، مکرات سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کو گناہوں سے پاک کرے اور ہر گھر کا کرے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ وجود سربراہ اپنے اہل و عیال اور ماتحتوں کو میں آسکتا ہے۔

عورت اور مرد کی نماز کا فرق

چند باتوں میں عورت اور مرد کی نماز میں فرق ہے

- (۱) تکبیر تحریرہ کہتے وقت مردوں کو چادر وغیرہ سے ہاتھ باہر نکال کر کانوں تک اٹھانا چاہئے۔
- (۲) مردوں کو ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں اور عورتوں کو سینے پر۔
- (۳) مرد کو بائیں کلائی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر پکڑنی چاہئے اور عورتوں کو دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھنا چاہئے، حلقہ بنا کر کلائی نہ پکڑیں۔
- (۴) مردوں کو رکوع میں اتنا جھکنا چاہئے کہ کمر اور سر ایک سیدھ میں ہو جائیں، مگر عورتیں صرف اتنا جھکیں کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔
- (۵) مردوں کو رکوع میں انگلیاں کھلی رکھ کر گھٹنے پکڑنے چاہئیں، مگر عورتیں انگلیاں ملی ہوئی رکھیں۔
- (۶) مرد رکوع میں کہنیاں پہلو سے علاحدہ رکھیں، مگر عورتیں ملی ہوئی رکھیں۔
- (۷) سجدے میں مرد پیٹ کو رانوں سے اور بازو کو بغل سے علاحدہ رکھے اور عورت ملا کر رکھے۔
- (۸) مردوں کی کہنیاں سجدے میں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں اور عورتوں کی زمین پر پکھی ہوئی ہوں۔
- (۹) سجدے میں مرد کو دونوں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑے رکھنا چاہئیں، مگر عورتیں دونوں پاؤں ذہنی طرف نکالے رکھیں۔
- (۱۰) قعدے کی حالت میں مردوں کو دایاں پاؤں کھڑا رکھ کر بائیں پاؤں پر بیٹھنا چاہئے اور عورتوں کو دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بیٹھنا چاہئے۔
- (۱۱) عورتوں کو ہر وقت اور ہر حال میں قرأت آہستہ آہستہ آواز سے کرنی چاہئے۔ مردوں کے لئے بعض حالات میں زور سے قرأت واجب ہے اور بعض میں آہستہ۔

(ردالمختار، فصل فی تالیف الصلاة، ج: ۱-۴: ۵۰)

إنه كان عبداً شكوراً

قرآن وحدیث میں بہت سی صفات جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، مذکور ہیں۔ انہیں میں سے شکر بھی ہے۔ اس صفت جلیلہ کے بغیر ایمان ناقص ہے۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے احسان، کام یا نعمت کی دل سے قدرت کی جائے، زبان سے اس کا اقرار اور عمل سے اس کا اعتراف و اظہار کیا جائے۔ اس کے مقابلے میں ”کفر“ کا لفظ ہے جو کسی نعمت یا احسان کی پردہ پوشی یا یوں کہہ لیں ناقدری کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہ دونوں لفظ کفر اور شکر ایک دوسرے کے بالمقابل وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: **إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ لِمَا شَاكَرْنَا وَإِنَّمَا كَفَرْنَا (سورۃ نساء)** ترجمہ: بے شک ہم نے اس ”انسان“ کو راستہ دکھایا پس اب یا تو وہ (قدر دان ہے یا ناقدر) کافر ہے۔

سورۃ ابراہیم میں بھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے مقابل آئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَمَّا شَكَرْتُمْ زَيْدْنَكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ شَدِيدٌ (سورۃ ابراہیم)** اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں خوب

زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور اگر کفر (ناقدری) کرو گے (تو پھر) بلاشبہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

آیات بالا کی روشنی میں معلوم ہوا کہ شکر جس طرح ایک ایمانی صفت اور اس سے متصف شخص محبوب رب العالمین ہے، اسی طرح ناشکری و ناقدری اور کفران نعمت ایک قبیح خصلت ہے اور جس میں یہ بری عادت ہو وہ مغضوب عند اللہ ہے۔

شکر کا تعلق دل و زبان کے اقرار و اظہار اور اعمال تینوں سے ہے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ کسی کے احسان و انعام کی قدر و عظمت کا جذبہ دل میں موجزن ہو۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ احسان و انعام کا اعتراف کیا جائے۔ اعمال سے شکر گزاری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعمال کئے جائیں جن سے نعمت کی قدر ہوتی ہو اور ان افعال سے بچا جائے جن سے کفران نعمت ظاہر ہوتی ہے۔

بنی آدم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ سب ”اللہ کا فضل“ ہی تو ہیں جن سے لمحہ لمحہ یہ حضرت انسان فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ عرش سے فرش تک بے حد و بے

شمار جو کچھ بھی ہے اور جن سے صبح و شام ہر شخص لطف اندوز ہو رہا ہے خواہ پانی ہو یا آگ، سردی ہو یا گرمی، چاند کی چاندنی ہو یا سورج کی تہمت و حرارت، دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی و ظلمت، یہ سب کچھ نعمت الہیہ کا ہی تو پر تو ہیں، جن کی قدر شناسی و شکر گزاری بندے پر واجب ہے۔ خوش بخت ہے وہ جو چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر بھی شکر گزار ہے اور بد نصیب ہے وہ جو بڑی سے بڑی نعمت کی بھی ناقدری و ناشکری کرتا ہے۔ آج ہم کسی بھی چیز کی قدر کریں یا ناقدری، ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کا اختیار دیا ہوا ہے، مگر کل روز قیامت ان سب نعمتوں کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔ سورۃ تکوین میں ارشاد فرمایا: **ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔** ”پھر تم سے یقیناً نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

شکر عبدیت کا امتیازی وصف ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر عبادت الہی میں مشغول رہتے۔ پاؤں مبارک پرورم آجاتا۔ کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے تو انگلی پچھلے سب گناہ معاف ہیں تو پھر اس قدر عبادت کا اہتمام کیوں فرماتے ہیں جس میں بہت مشقت ہے۔“

لسان نبوی سے یہ جواب ملتا ہے: ”افلا اکون عبداً شكوراً۔“ کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ ہوں۔“

قربان جائے اس پاکیزہ و مقدس ذات پر کہ کس قدر جذبہ شکر گزاری سے لبریز تھا آپ کا قلب اطہر۔ فداہ بانی و اُمی و روحی صلی اللہ علیہ وسلم۔

موجودہ معاشرے پر سرسری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس وقت ناشکری کتنی عام ہے اور شکر گزاری کا کس قدر فقدان ہے۔

سچ فرمایا اللہ جل شانہ نے: **وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورِ۔** اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہیں۔ یوں تو ہر زمانے میں شکر گزار بندوں کی کمی رہی ہے، مگر عصر حاضر میں جو ناشکری کا دور دورہ ہے ماضی میں اتنا شدید نہ تھا۔ پہلے لوگوں کو راحت و آرام کے وہ اسباب میسر نہ تھے۔ جن کی آج بہتات ہے۔ ماکولات و مشروبات اور تعیشات زندگی کے وہ وسائل نہ تھے جن کی آج کثرت ہے۔ ماضی میں ضروریات کا پورا ہونا مشکل تھا جب کہ آج خواہشات کی تکمیل کا ہر سامان موجود ہے۔ اس کا فطری نقاضا یہ تھا کہ ان نعمتوں کی کثرت اور وسائل کی فراوانی پر شکر سے زبانیں تر ہوتیں۔ خالق و مالک جل جلالہ کی حمد و ثنا میں ہر شخص رطب اللسان ہوتا، مگر افسوس صد افسوس معاملہ اس کے برعکس ہے۔ صرف صبح سے شام تک آپ مختلف حرفت و صنعت اور پیشوں سے متعلق لوگوں سے ملاقات کریں تو تقریباً سبھی کی زبان سے شکوے، شکایات اور دکھ درد کی کہانیاں سنیں گے، خواہ

ان لوگوں کو دنیا کی ہر نعمت ہی کیوں نہ میسر ہو۔ شاذ و نادر ہی کوئی ملے گا جس کی زبان پر شکر کے الفاظ ہوں اور یہ کہے: ”الحمد للہ! ذات پاک کا شکر ہے۔ اس نے اپنی نعمتوں سے خوب نوازا رکھا ہے۔“

فی الواقع شیطان اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ عوام تو عوام خواص بھی صفت شکر سے عاری نظر آتے ہیں، بجز معدودے چند کے جیسے کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنُّهُ فَاتَّبَعُوهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اور شیطان نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ چنانچہ انہوں نے اس (ابلیس) کی پیروی کی، سوائے مومنین میں سے ایک فریق کے۔“

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ناشکری کی عادت بد شیطانی بہکاوے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ابلیس لعین کے شر سے بچنے کے لئے توفیق شکر کی دعا مانگتے رہنا چاہئے جیسا کہ حضرت سلیمان کی دعا سورہ نمل میں منقول ہے: **رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ۔**

”میرے پروردگار، مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجلاؤں جو تو

نے مجھ پر کی ہیں اور میرے ماں باپ پر۔ اور میں ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل فرما!“

اے توفیق دینے والے ہم سب کو اس جامع دعا کے ورد کی صبح و شام توفیق عطا فرما۔ (آمین)

صف اول کے شکر گزار بندے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔ ہر ہر نعمت و رحمت پر وہ بارگاہ الہی میں نذرانہ شکر پیش کرتے رہتے ہیں۔ سورہ نمل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و التسلیم کے متعلق فرمایا گیا: **شَاكِرًا لِّاَنْعَمَہٗ۔** ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔

”شکر“ کی صفت پیدا ہونے میں فائدہ شاکری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی ذات کسی کے شکر و ناشکری سے بے نیاز ہے۔ اس کی ذات بلند و بالا ہے۔ کسی کی معصیت و نافرمانی سے اس کی شہنشاہیت میں کمی نہیں آتی اور نہ کسی کی اطاعت فرماں برداری سے اس کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ذات ان سب چیزوں سے مستغنی ہے۔ سورہ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے جب انہوں نے ملکہ سبا کا تخت اپنے پاس دیکھا تو گو ہوئے: **هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْٓ غَفِيْرٌ كَرِيْمٌ۔**

”یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمانے کے میں شکرگزار کرتا ہوں یا شکر ہی، اور جو شکرگزار کرتا ہے بلاشبہ وہ سزا ہی (فائدے کے لئے) شکر کرتا ہے جس نے کفر (ناشکری) کی تو میرا رب بے پروا اور کریم ہے۔“

لہذا شکر کا فائدہ اور ناشکری کا نقصان ہے ہی کو پہنچتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بات مزید واضح ہوگئی کہ نعمت کبھی ابتلا آزمائش کے لئے بھی ہوتی ہے، اس لئے ت کے سلسلے میں شکرگزار رہنا چاہئے ناشکری کے وبال سے ڈرتے رہنا ہے۔

سورہ زمر میں ارشاد فرمایا: بَلِّ اللّٰہَ فَاَعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ۔
”بلکہ عبادت تو صرف اللہ ہی کی کرو اور شاکرین میں سے ہو جاؤ۔“

آیت مبارکہ میں عبادت الہی کے معا بعد شکرگزار کی حکم فرمایا گیا ہے۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو ساری عبادتیں شکر کا ہی حصہ ہیں۔ شکر کی جزیں دل میں مضبوط ہوں گی تو خالق و مالک جل مجدہ کی عظمت و محبت پیدا ہوگی اور اس عظمت و محبت کے پیدا ہونے کے بعد ساری عبادات و طاعات آسان ہوں گی۔ بندہ جب اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب جذبہ شکر سے کر لے گا تو پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان مَاتَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ وَكَانَ اللّٰہُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ (سورہ نساء) اگر تم شکر اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر پہنچانے والا اور علم رکھنے والا ہے (مژدہ جانفرا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے: شکر اور ایمان۔ ایمان کی حقیقت تو معلوم ہی ہے، رہا شکر تو شریعت میں جو کچھ ہے وہ سب شکر کے دائرے میں داخل ہے۔ ساری عبادتیں شکر ہیں۔ بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی حقیقت بھی شکر ہی ہے۔ دولت مند اگر اپنی دولت کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دیتا ہے تو یہ دولت کا شکر ہے۔

صاحب علم اپنے علم سے بندگان الہی کو فیض پہنچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے، طاقت ور کمزوروں کی امداد اور اعانت کرتا ہے تو یہ بھی قوت و طاقت کی نعمت کا شکرانہ ہے۔

ذیل میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ شاید اسے پڑھ کر ہم جیسے ناشکروں کو کچھ شکر کی توفیق اور اصلاح حال کا جذبہ نصیب ہو جائے۔ وما ذلک علی اللہ بھزیز۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز سردی کی حالت میں گھر سے نکلا۔ بھوک سے بے تاب تھا۔ سردی سے بچاؤ کے لئے ایک چمچے کے دو حصے کر کے میں نے اس کو اپنے سینے اور گردن پر پیٹ لیا۔ گھر میں کوئی چیز کھانے کو نہ تھی۔ شاید حضور ﷺ کے یہاں بھی کھانے کے لئے کچھ نہ تھا اور نہ مجھے ضرور مل جاتا۔ میں مدینے سے باہر ایک یہودی کے باغ میں جا نکلا۔ یہودی نے کہا، اے شخص کیا تم اجرت پر کام کر سکتے ہو؟ ایک ڈول پانی کنویں سے نکالنے کا ایک کھجور بطور اجرت تمہیں دوں گا۔ فرماتے ہیں، میں راضی ہو گیا اور ڈول نکالتا رہا۔ وہ مجھے کھجور دیتا رہا۔ جب مٹھی بھر کھجور ہو گئے تو میں نے سوچا بس یہ تو کافی ہیں۔ چنانچہ ان کو کھا کر پانی پیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں اس مجلس نبویؐ میں حضرت مصعبؓ بن عمیر آئے۔ ان کی چادر میں

پوند لگے دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (غالباً آپ کو مصعبؓ بن عمیر کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ ایمان لانے سے پہلے خوب خوش حالی و فراوانی اور مقیم کی زندگی میں تھے)۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ہر شخص صبح کو ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا جوڑا بدلے گا اور گھر پر اس طرح پردے لٹکائے جائیں گے جس طرح کعبہ پر غلاف۔ صحابہ نے عرض کیا، اس دن تو ہم راحت میں ہوں گے، مشقت و تکلیف سے بچے رہیں گے، عبادت کے لئے فارغ ہوں گے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نہیں! آج تم اس (آنے والے) زمانے سے بہتر ہو۔ (ترمذی)

آئیے ہم اپنا اپنا جائزہ لیں کہ کیا ہم اس زمانے میں نہیں جس کا ذکر حدیث مذکور میں فرمایا گیا اور کیا آج عبادت و شکر سے ہماری زندگیاں خالی نہیں ہیں؟ بے شک وہ لوگ ہم سے اچھے تھے جو تنگ دست تھے، مگر شاکر تھے، فقر و فاقہ سے دوچار تھے، مگر عابد تھے، روکھی سوکھی کھاتے، مگر آخرت کے لئے فکر مند رہتے تھے۔ آج سب کچھ ہے، مگر شکر نہیں، راحت و آرام میسر ہے، مگر عبادت و طاعت نہیں۔ آسودگی و خوش حالی ہے، مگر آخرت کی فکر مندی نہیں۔ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَذُو فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ
وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ (یونس 7)
بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر خوب خوب فضل و انعام فرماتے ہیں۔ مگر ان میں اکثر شکر نہیں کرتے۔
آئیے آخر میں پھر وہی دعا کریں جس سے شکرگزار کی توفیق مل جائے۔
رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَكَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِیْ

ذُرِّيَّتِيْ۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْتَلِيْمِيْنَ۔ (احقاف)
اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر بجلاؤں جو مجھ پر کی ہیں اور میرے ماں باپ پر کی ہیں۔ نیز اس کی بھی توفیق دے کہ ایسے اعمال کروں جن سے آپ راضی ہوں۔ اور میری اولاد کو بھی نیک بنا۔ تجھ سے میں رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ آمین۔

سناجات

سب مراتب ہیں تری ذات مقدس سے ورے کس زباں سے کہوں ہے مرتبہ اعلیٰ تیرا نور خورشید چمکتا ہے ہراک ذرہ میں چشم بینا ہو تو ہر شے میں ہے جلوہ تیرا بیم دوزخ ہے اسے اور نہ شوق جنت جس کو مطلوب ہے اک دور کا ذرہ تیرا تیرے دیوانوں کو کیا قید علائق سے گزند دونوں عالم سے بھی آزاد ہے بردا تیرا دل صدا پارہ و ہر پارہ میں ہو داغ جنوں نام کندہ ہو ہراک داغ پہ مولا تیرا نفس و ابلیس کے پھندے میں پھنسا ہوں لیکن دل سے اقرار یہی ہے کہ ہوں بندہ تیرا ہم یہ بخت اگر ایسے ہی ناکام رہے کیسے جانیں گے کہ کیا فضل ہے ربا تیرا

رحمت عالم کی

ازواجی زندگی

عبدالرزاق جاگڑا

جان لیں کہ حضور ﷺ

کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کا ہر رخ ہم سب کے لیے بے مثال ہے۔ چنانچہ ایک شوہر اور رفیق حیات کی حیثیت سے بھی آپ ﷺ کا ایک مقام ہے۔ ایک مرتبہ سفر میں ازدواج مطہرات بھی ساتھ تھیں دوران سفر کہیں ساربانوں نے اونٹوں کو تیز دوڑانا شروع کر دیا تو ان سے فرمایا:

”ذرا دیکھ کر یہ آجگینے ہیں۔“

اور یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے ان آجگیوں کی نزاکت کا ہمیشہ پورا خیال رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے مزاج کی نزاکت کا ہر قدم پر ہر بات میں خوب لحاظ فرمایا ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

یہ رحمت عالم ﷺ کی پہلی رفیقہ

چالیس سال اور حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف پچیس برس تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو اس تاریک دور میں بھی یہ بلند مقام حاصل تھا کہ لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے سب ان کی عزت کرتے تھے وہ نہایت شریف دانا مدبر تھیں وسیع کاروبار رکھتی تھیں پیکر حلم و صبر تھیں۔

حضور ﷺ نے پندرہ برس حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ بسر کئے تھے کہ رب کریم نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت سب سے پہلے یہ عظیم خاتون ہی آپ ﷺ پر ایمان لاتی ہیں یہ پیش نظر رہے کہ حضور اقدس ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کی عجیب کیفیت تھی اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ ﷺ کو اس طرح تسلی دی کہ:

”آپ ﷺ خوش ہو جائیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا سے نیک سلوک کرتے ہیں سچ بولتے ہیں امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہار لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ناداروں کو اپنی کمائی دیتے ہیں مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔“

غور فرمائیں خلوت و جلوت کی شریک زندگی محرم راز کی یہ شہادت ختم نبوت خلق عظیم کا ایسا بے مثل صداقت نامہ ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

جب تک حضرت خدیجۃ الکبریٰ حیات رہیں حضور اقدس ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ اکثر ان کو یاد کیا کرتے تھے اور ان کی بڑی تعریف فرماتے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے ملنے جلنے والوں سے بھی نہایت اچھا برتاؤ فرماتے تھے ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

اور بچترت ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ کے یہاں بحری ذبح ہوتی تو آپ ﷺ اس کے پارچے الگ الگ کراتے

پھر وہ ٹکڑے حضرت خدیجۃ سے میل جول رکھنے والیوں کے یہاں بھجتے۔“ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگرچہ میں نے حضرت خدیجۃ کو دیکھا بھی نہیں لیکن مجھے اتنا شک آپ ﷺ کی کسی بی بی پر نہیں آیا جتنا خدیجۃ پر آتا تھا۔ آپ ﷺ ان کو اکثر یاد فرماتے اور اگر گوشت وغیرہ کبھی کوئی چیز تقسیم کرنے کے قابل ہوتی تو آپ ﷺ تلاش کر کے خدیجۃ کی بھولیوں اور سیلیوں کو بھجا کرتے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کو عرصہ گزرنے کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے کہ باہر سے ان کی بہن ہالہ نے دروازے پر آواز دی تو حضور ﷺ اس کو حضرت خدیجۃ کی آواز سمجھ کر چونک پڑے پھر فوراً ہی خیال آیا کہ ان کی بہن پکارتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ

ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ بڑے شہسوار تھے بدر اور احد میں شریک ہوئے غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی وفات سے حضرت

ام سلمہ کو جو شدید صدمہ ہوا اس کو اللہ تعالیٰ نے لدی مسرت میں بدل دیا اور ان کو رحمت عالم جیسا جانشین عطا فرمایا حضور اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب حضرت عائشہ کے سوا تمام ازواج مطہرات کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ ہی کو اپنا سفیر بنا کر آپ ﷺ کی خدمت میں بھجا۔

حضرت ام سلمہ حضور اقدس ﷺ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہ جو حضور اقدس ﷺ کے مشہور غلام ہیں وہ دراصل حضرت ام سلمہ ہی کے غلام تھے ان کو جب آزاد کیا تو یہ شرط رکھی کہ جب تک حضور اقدس ﷺ حیات ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔

حضرت ام سلمہ کو حدیث سننے کا بڑا شوق تھا ایک دن وہ بال گوندھوار ہی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ”یا ایہا الناس“ کا لفظ نکلا کہ فوراً بال باندھ کر اٹھ کر کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

ایک مرتبہ چند صحابہ نے دریافت فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی کے بارے میں کچھ فرمائیں: ”آپ ﷺ کا ظاہر اور باطن یکساں تھا۔“ پھر جب حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان فرمایا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”تم نے بہت اچھا کہا“ حضرت ام سلمہ ں نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا لیکن جب حضور اقدس ﷺ نے اعتراض فرمایا تو اس کو توڑ ڈالا۔

وہ اپنے پہلے شوہر کی اولاد کا بہت خیال رکھتی تھیں ان کی نہایت عمدگی سے پرورش کرتی تھیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ (بخاری شریف)

حضرت ام سلمہ کو رحمت عالم ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ انہوں نے آپ ﷺ کے بال مبارک تبر کا رکھ چھوڑے تھے جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں۔ (مسند

حضرت ام سلمہؓ صلح حدیبیہ میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھیں صلح کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں لیکن صحابہ کرامؓ اس قدر دل شکستہ تھے کہ آمادہ نہ ہوئے۔ یہ اس لیے کہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں چنانچہ سب رنجیدہ تھے سب اسی میں کھوئے ہوئے تھے اس حال میں حضور اقدس ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے اس کا ذکر فرمایا اس پر انھوں نے عرض کیا:

آپ ﷺ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوائیں۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے باہر آکر قربانی کی اور بال منڈوائے یہ دیکھ کر صحابہؓ کو یقین ہو گیا کہ اب اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتار اس وقت ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا تھا۔

غرض یہ کہ حضور اقدس ﷺ ان کی رائے کی قدر کرتے ہیں اور ان کو وہ پیارو محبت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد بھی وہ آپ ﷺ کے رشد و ہدایت کے سلسلہ کو جاری رکھتی ہیں۔

محمود بن لبید فرماتے ہیں:

”مخضرت ﷺ کی ازواج مطہرات احادیث کا مخزن تھیں تاہم حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔“ (طبقات ابن سعد)

حضرت زینب بنت جحش یہ رحمت عالم ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں

ازواج مطہرات میں ان کو یہ مقام حاصل تھا کہ ان کے پہلے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم ”متبنی“ جو اصل بیٹے کا حکم رکھتا تھا مٹ گئی اور مساوات اسلامی کا وہ عظیم منظر نظر آیا کہ آزاد اور غلام کا امتیاز ختم ہو گیا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں

”حضرت زینبؓ نیک خو روزہ دار اور نماز گزار تھیں“ (زر قانی حوالہ ابن سعد)

”میں نے کوئی عورت

زینبؓ سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچ بولنے والی زیادہ فیاض، مخیر اور اللہ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی، فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (مسلم شریف)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا: ”تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا“

یہ سن کر وہ سب اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں پھر جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ میں آئی کہ وہ ان کی سخاوت کی طرف اشارہ تھا۔

دعوت ولیمہ

جب وحی الہی کے مطابق رحمت عالم ﷺ کا حضرت زینبؓ سے نکاح ہوا تو دوسرے دن آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ فرمائی جو اسلام کی سادگی کی عمدہ تصویر ہے اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا انصار میں حضرت ام سلیمؓ جو حضور اقدس ﷺ کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں انھوں نے مالیدہ بھیجا اس وقت کوئی تین سو صحابہ

کرامؓ اس دعوت میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے دس دس صحابہ کرام کی ٹولیاں کر دی تھیں جو باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

حضرت زینبؓ کو یہ بلند مقام حاصل ہے ان کا وجود تعلیم اسلام کے اظہار اور باطل رسم و رواج کو مٹانے میں بہت بڑی برکت ثابت ہو ا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کی شان میں فرمایا کرتی تھیں..

زینبؓ ہی ہے جو بارگاہ رسول اللہ ﷺ میں میری منزلت میں برابر تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ رحمت عالم ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کبھی اپنے رب سے یوں فرماتے تھے۔

”باری تعالیٰ یوں تو میں سب ازواج سے یکساں سلوک کرتا ہوں مگر دل میرے بس میں نہیں کہ وہ عائشہ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے الہی تو اسے معاف فرما۔

اس محبت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بڑے روحانی کمالات رکھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ رحمت عالم ﷺ اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ سے فرماتے

ہیں ”بیٹی جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا بالکل یہی درست ہے۔ فرمایا تو بھی عائشہ سے محبت رکھا کر۔“ (مسلم شریف)

یہ عائشہ ہی ہیں کہ جب منافقوں نے ان پر بہتان لگایا تو رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ پر وحی نازل فرمائی جس میں حضرت عائشہؓ کی بے قصوری ظاہر فرمائی ان کو طیبہ ٹھہرایا اور یہ بشارت دی کہ ”ان کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔“

غرض یہ کہ حضرت عائشہ وہ بلند مقام رکھتی ہیں کہ قدرتا حضور اقدس ﷺ ان کی طرف کچھ زیادہ مائل تھے چنانچہ زندگی کے آخری ایام میں جب مرض میں شدت پیدا ہو گئی تو آپ ﷺ کے ایماء پر سب ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کا اختیار دے دیا اس طرح روضہ اقدس کا شرف بھی حضرت عائشہؓ ہی کے مکان کو حاصل ہوا۔

حضرت عائشہ کا امت مسلمہ پر یہ بڑا احسان ہے کہ ان کے

طفیل تیمم کا حکم ہوا اس وقت حضرت اسید بن حصیر، حضرت عائشہ سے فرماتے ہیں: ”جزاک اللہ خیراً“ جب کوئی آپ کا کام انکا تو اللہ نے خود اس کے لیے کوئی راستہ کھول دیا اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت ہوئی،

واقعہ ایلا

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اقدس ﷺ سے اس قدر محبت رکھتی تھیں کہ کبھی آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ واقعہ ایلا کے موقع پر جب حضور اقدس ﷺ نے یہ عمد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات کو نہ ملیں گے اس وقت سیدہ عائشہؓ کی یہ حالت تھی کہ فرماتی ہیں:

میں ایک ایک دن کنتی تھی، انتیسویں دن حضور اقدس ﷺ بالا خانے سے اتر کر سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایک مہینہ کا عمد فرمایا تھا اور آج انتیس دن ہوئے ہیں فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی

زندگی کی تعمیر میں خواتین کا کردار

ترجمہ - محمد فرمان نیپالی

درہم برہم ہو رہا ہے خاندانی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں اس کا کردار ختم ہوتا جا رہا ہے اور تعلیم و تربیت کے میدان میں ترقی عظمت و شوکت، محبت اور بھائی چارہ، نیکی اور تقویٰ جیسی نمایاں خصوصیات سے متصف ایک نئی نسل کی تشکیل میں بہت دشواریاں سامنے آرہی ہیں اور اسلامی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں خواتین ہی کی کوشش کامیاب ہوتی ہے، اگر وہ اس میں حصہ نہیں لیں گی تو یہ بلند مقاصد آسانی سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

یورپ نے مسلمان عورت کی قدر و منزلت گھٹانے اور گھر اور خاندان سے نکال کر بازار میں داخل کرنے پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، اور اس مقصد کے لئے کوئی حصہ دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ اس نے الیکشن، جلیے، جلوسوں، تجارت، اسکولوں، عدالتوں، بینکوں اور ہوٹلوں کی خدمات میں مرد کے دوش بدوش چلنے پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی ان سب کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام فریب خوردگی کا شکار ہو کر عورتوں کو

اسلام کے مقرر کردہ اصولوں سے ہٹا کر مردوں کے ساتھ ساتھ سماجی خدمات میں شریک کر لیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپی مکر و فریب نے نسوانی معاشرہ میں اپنا اثر قائم کر کے عورتوں کو گھر سے باہر عملی میدان میں داخل کر دیا ہے اور اسلامی احکام کو پس پشت ڈالنے پر مجبور کیا۔ خاص طور سے پردہ کو اس نے کوسوں دور پھینکنے پر زور دیا یہاں تک کہ ثقافتی پروگراموں، جلسوں اور مرد و زن کی مخلوط محفلوں میں مردوں کے ہمراہ شریک ہونے لگی اور اپنے زیادہ تر اوقات گھر سے باہر بازاروں، میلوں ٹھیلوں میں گزارنے لگی نہ اسے اپنے بچوں کی پرواہ رہی نہ اپنے شوہر کی فکر بلکہ وہ یورپ کی عطا کردہ نام و نہاد آزادی کا شکار ہو گئی۔

یورپ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ عورت ہی معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اگر یہ خراب ہو جائے تو پورا معاشرہ خراب ہو جائے گا اور وہ معاشرہ انسانی ضرورت پورا کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ مسلمان عورت ہی آج ان آزادانہ کارروائیوں اور تمدنی تجربات کا نشانہ بنی ہوئی ہے اس کی ذمہ داری تہذیب و تمدن کے علمبرداروں اور مادی فلسفوں کے امیدواروں پر عائد ہوتی ہے ان کی دلی تمنا ہے کہ وہ اخلاقی دیوار ٹوٹ جائے جس کو اسلام نے مرد و عورت کے مابین قائم کیا ہے، اور عورت تمام پروگراموں میں شرم و حیا

کے لبادہ کو تار تار کر کے ان کے ساتھ بے محابا اختلاط رکھے اور یہ حقیقت ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے ایسے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے جن کی تلافی ممکن نہیں اور معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں باعث فساد ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ انسانی کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

معاشرہ کی تعمیر میں اسلام کے مقرر کردہ قوانین کو توڑنے سے برے نتائج سامنے آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج ایک مسلمان عورت اس میدان میں اپنے مثبت کردار کو بحسن و خوبی انجام دینے سے قاصر ہوتی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ کی بربادی اور گھر کی تباہی کے واقعات پیش آتے ہیں اور فطرت انسانی کے خلاف ایک بغاوت اور چیلنج سامنے آتا ہے۔

آج ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلامی اصولوں کے مطابق عورت اپنا سفر طے کرے کہ وہ انسانی معاشرہ کی تعمیر میں اہم رول ادا کر سکتی ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی کا مستقبل تابناک ہوگا لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ ایک اچھے علمی و دینی گھرانے میں اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہو اور خود اسے اللہ رب العزت کی نوازشات کا صحیح ادراک ہو اور اللہ رب العزت نے جو ذمہ داریاں اس کے کمزور کندھے پر ڈالی ہیں اس کا صحیح معنوں میں احساس ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے عورت کو "خیر متاع الدنیا" دنیا

کا بہترین سرمایہ بتایا ہے اور خانگی زندگی کی تعمیر اور قربت خداوندی کی خاطر مواقع کی فراہمی میں اچھا مقام عطا فرمایا ہے لیکن اگر عورت بد اخلاق ہو جاتی ہے تو زندگی اور معاشرہ کے جملہ شعبوں میں برائی اور بے حیائی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور دنیا کو جہنم کدہ بنا دیتی ہے۔

آج آزادی تہذیب و تمدن کے متوالوں نے عورت کو صرف پروپیگنڈہ کا آلہ کار گھنٹا مقاصد تک پہنچنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے چنانچہ نہ وہ اپنے گھر کی نگہبان ہے اور نہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی کفیل اور نہ وہ ایک استانی کی حیثیت رکھتی ہے اور نہ کسی خیر کا سرچشمہ اس کے ذریعہ پھوٹ سکتا ہے اور نہ قرآن کے الفاظ میں "جعل منہا زوجھا یسکن الیہا" کی تعبیر ظاہر ہو سکتی ہے اور نہ وہ شوہر کی اصلاح میں مؤثر رول ادا کر سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسے پھلدار اور میوے لدے ہوئے درخت کی طرح ہے کہ جب تک وہ درخت پھل دیتا رہتا ہے اس وقت تک لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے لیکن جب اس کی صلاحیت معدوم ہو جاتی ہے تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا جاتا ہے یورپ میں آج عورت کے ساتھ یہی سلوک کیا جا رہا ہے جب وہ عنفوان شباب کے مراحل طے کر رہی ہوتی ہے تو لوگوں کیلئے دلچسپی کا باعث رہتی ہے لیکن جب وہ جوانی سے نکل کر بڑھاپہ کی منزل میں قدم رکھتی ہے تو اس کو لاچار اور

بوڑھے لوگوں کے سرکاری مرکز میں ڈال دیا جاتا ہے نہ اہل خانہ کو اس کی فکر ہوتی ہے۔ اور نہ اس کی اولاد اس کی طرف توجہ کرتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام عورت کے بلند درجہ و مرتبہ کا پورا لحاظ رکھتا ہے جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے تو ایک مہربان ماں کی حیثیت سے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں وہ پورے گھر کی مالک ہوتی ہے خانگی معاملات اسی کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں وہ اس عمر میں بھی کابلوں کی طرح بیٹھی نہیں رہتی بلکہ جب تک اس کے اعضاء و جوارح ساتھ دیتے ہیں وہ اپنے فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کرتی۔ بسا اوقات وہ نیک خاتون گاؤں اور محلہ میں تعلیم و تربیت دینے کا ذریعہ بنتی ہے اور معاشرہ کا سدھار اس کے ذریعہ ہوتا ہے غرض یہ ہے کہ اس عمر میں اس کی سرگرمیاں بجائے کم ہونے کے تیز تر ہو جاتی ہیں اور وہ قرب و جوار میں بسنے والے محلے کے لوگوں کی سرپرست بن جاتی ہے چھوٹے اور بڑے سب کی اس کے پاس آمد و رفت رہتی ہے اور وہ اپنے معاملات میں اس سے مشورہ کرتے رہتے ہیں۔

غیر مسلم معاشرہ میں ان صفات سے محروم ہے کیونکہ وہ معاشرہ دنیاوی نفع اندوزی مادی مصالحوں اور منافع پر مشتمل ہے جس میں اخلاقی اقدار کا گزر نہیں۔ اچھے طرز عمل اور لطیف انسانی جذبات نام کی کوئی چیز نہیں اس کا کل مقصد صرف فوری لطف

اندوزی اور وقتی فائدہ کا حصول ہوتا ہے اور اسی راہ پر اس کے افراد اپنی کشتی حیات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کو عورت کے سلسلہ میں چند اہم نکتوں سے باخبر کیا ہے اور اس کے ساتھ رشتہ ازدواج کو منسلک کرنے کی چند وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے ”تنكح المرأة لاربع لجمالها ومالها وحسبها ودينها فأظفر بذات الدين تربت يداك“ ”عورتوں سے عموماً چار چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شادی کی جانی ہے۔ جمال۔ مال۔ جب نسب اور دینداری۔ مسلمانو تمہارا بھلا ہو کہ تم دین ہی کو ترجیح دو“ آپ نے آخری جملہ کو مکرر اور سہ کر بیان فرمایا اور اسی رشتہ کو استوار کرنے میں دین کو اصل بنیاد قرار دیا کیونکہ جمال و خوبصورتی۔ مال و دولت اور حسب و نسب کی اسلام میں زیادہ قدر و قیمت نہیں ہے اور ان تینوں اسباب پر قائم

ہونے والے تعلقات اکثر کمزور ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام ایک خاتون کو اصلاح و تربیت، خاندان کی تعمیر، گھر کی حفاظت اور شوہر کو راحت و آرام پہنچانے جیسے اہم امور میں متحرک و فعال بناتا ہے اس سے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ“ ترجمہ اور اس کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (میاں اور بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور فکر سے کام لیتے رہتے ہیں۔

(تفسیر ماجدی سورہ روم آیت ۲۱)

کیا زمانے میں..... صفحہ ۳۲ کا بقیہ

ساتھ مسلکی لڑائیاں شروع کر دیں تاکہ بیرونی یورش سے نہیں، خانہ جنگی سے خاتمہ بالخیر ہو جائے، الزام دوسروں پر کیوں آئے۔ بے مصرف، ناوقت اور بے مفہوم مسلکی لڑائیاں کیا کم تھیں کہ برادری واد کا بکھیڑا کھڑا کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے معاشرے پر ذات پات کا اتہام لگایا گیا۔ اتحاد اور تنظیم سے محروم ملت میں ایک شکاف اور ڈال دیا گیا۔ عافلوں نے یہ نہیں سوچا کہ جو دین دوسرے مذہب والوں سے دست و گریباں ہونے سے ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ کہہ کر روکتا ہے جو غیر مخلوط توحید کی تلقین کرتا ہے وہ مسلکی اور برادری کے زیر سایہ خانہ جنگیوں اور کدورتوں اور عداوتوں کو کیسے برداشت کرے گا۔

تناسب باحتیاجی اور بے راہ روی کی مثالیں اور بھی ہیں۔ مسلمان حکومت کے اعتراف کے بموجب تعلیم میں سب سے پیچھے ہیں۔ اس بیماری کا مداوا وہ کیونکر کر رہے ہیں۔ اپنی یونیورسٹیوں میں توڑ پھوڑ کر کے، انہیں بار بار بند کر کے۔

قارئین کرام نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہمارا احساس اور اصابت رائے ہی مشتبہ نہیں، ہمارا ذہنی توازن بھی مشکوک ہو گیا ہے۔ ہمیں اپنی افتاد طبع، اپنے مزاج، اپنے رخ اور روش، اپنے طرز فکر اور طریق کار کو بدلنا ہوگا۔



توبہ شاد کی رزق کا دلچسپہ

ڈاکٹر فضل الہی

ہے تو یہ مال واپس کرے اور اگر اس پر ایسا الزام تراشا کہ جس کی سزا حد قذف ہو تو حق والے کو موقع فراہم کرے کہ وہ اس پر حد قائم کرے یا اس سے عفو و درگزر کی درخواست کرے۔ اور اگر اس نے اس کی غیبت کی ہو تو اس کی معافی طلب کرے۔

امام راغب اصفہانی استغفار کے متعلق فرماتے ہیں: ”استغفار قول و فعل دونوں سے گناہوں کی معافی طلب کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اَسْتَغْفِرُكَ وَأَرْبُكَ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (تم اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو، وہ گناہوں کو بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں)۔ اس ارشاد میں صرف زبان ہی سے گناہوں کی معافی طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ زبان اور عمل دونوں کے ساتھ معافی طلب کرنے کا حکم دیا گیا۔ عمل کے بغیر فقط زبان سے گناہوں کی معافی طلب کرنا بہت بڑے جھوٹوں کا شیوہ ہے۔“

استغفار و توبہ کے رزق کا

سبب ہونے کی دلیل متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ استغفار و توبہ رزق کے حصول کے اسباب میں سے ایک ہے۔ ذیل میں چند دلائل مناسب شرح و تفصیل کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ

جن اسباب کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رزق سلب کیا جاتا ہے ان میں ایک اہم سبب اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار و توبہ نہ کرنا ہے۔ اس موضوع کے متعلق گفتگو انشاء اللہ دو نکتوں کے تحت کی جائے گی: (۱) حقیقت استغفار و توبہ (۲) استغفار و توبہ کے رزق کے سبب ہونے کے دلائل۔

حقیقت استغفار و توبہ

بہت سے لوگوں کے خیال میں استغفار و توبہ کا تعلق صرف زبان سے ہے۔ توبہ و استغفار کا دعویٰ کرنے والے کتنے ہی لوگ ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں۔ استغفر اللہ و اتوب الیہ (میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرتا ہوں اور اپنی سیاہ کاریوں سے تائب ہوتا ہوں) لیکن ان الفاظ کا اثر نہ ان کے دل پر ہوتا ہے اور نہ ان کے اثرات کا اظہار ان کے اعمال پر دکھائی دیتا ہے۔

اللہ رب العزت علمائے امت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے استغفار و توبہ کی حقیقت کو خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر امام راغب اصفہانی اس بارے میں فرماتے ہیں:

”شریعت میں توبہ کا مطلب گناہوں کو اس کی عبادت کی وجہ سے چھوڑنا، اپنی غلطی پر نادم ہونا، آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا اور جن اعمال کی تلافی ان کے بارے میں ادا کرنے سے ہو سکے ان کے لئے بقدر استطاعت کوشش کرنا اور جب یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں تو توبہ کی شرائط پوری ہو گئیں۔“

امام نوویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: ”علمائے فرمایا ہے، ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اگر اس گناہ کا تعلق صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو، کسی اور آدمی سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس گناہ سے توبہ کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں: اس گناہ کو چھوڑ دے، اس پر نادم ہو، اس بات کا عزم کرے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اگر تین شرائط میں سے کوئی بھی شرط منفقود ہوگی تو اس کی توبہ درست نہیں اور اگر گناہ کا تعلق بندے سے ہو تو اس سے توبہ کے لئے چار شرائط ہیں: تین سابقہ شرائط اور چوتھی شرط یہ ہے کہ حق دار کو حق ادا کرے۔ اگر اس کا حق مال کی صورت میں

ہمیں ایک بار خدمت کا موقع ضرور دیں

کاغذ کی دنیا میں مشہور ترین نام

پاپر پیپر

کرافٹ دستی

بائسٹنگ کلاتھ

ناظمہ پلازہ، نیو بلڈنگ، دوکان نمبر ۱۸، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۰۰۴۶ (۰) ۲۲۵۹۳۳

انہوں نے اپنی قوم سے کہا ”ترجمہ: پس میں نے کہا، اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ آسمان سے تم پر موسلا دھار مینھ برسائے گا اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔“

ان آیات کریمہ میں استغفار کے جن فوائد کا ذکر کیا گیا ہے درج ذیل ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی معافی اور اس کی دلیل یہ ہے ”یرسل السماء علیکم مدرارا“ (وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائیں گے)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ”مدارا“ سے مراد موسلا دھار بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مال و دولت اور اولاد میں اضافہ فرمانا اس کی دلیل یہ ہے: ”ویجعل لکم انھارا“ (اور وہ تمہارے لئے نہریں جاری فرمائیں ہے)۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اور سورہ ہود آیت ۱۱ میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہوں کی معافی کا سوال کر کے رزق اور بارش طلب کی جاتی ہے۔

حافظ ابن کثیر تفسیر میں فرماتے ہیں ”اگر تم اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو، ان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور ان کی اطاعت کرو تو وہ تم پر رزق کی فراوانی فرمادیں گے، آسمان سے بارین رحمت نازل فرمائیں گے، زمین سے خیر و برکت

آسمان سے تم پر موسلا دھار مینھ برسائے گا۔“

امام حسن بصریؒ کے پاس چار اشخاص آئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی مشکل بیان کی۔ ایک نے قحط سالی کی، دوسرے نے تنگ دستی کی، تیسرے نے اولاد نہ ہونے کی اور چوتھے نے اپنے باغ کی خشک سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے چاروں اشخاص کو اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی طلب کرنے کی تلقین کی۔ امام قرطبیؒ نے حضرت ابن صبیح سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ کے روبرو قحط سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اس سے فرمایا ”اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو!“

دوسرے شخص نے غربت و افلاس کی شکایت کی تو اس سے فرمایا ”اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو!“ تیسرے شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بیٹا عطا فرمادیں۔“ آپ نے اس کو جواب میں تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرو۔ چوتھے شخص نے ان کے سامنے اپنے باغ کی خشک سالی کا شکوہ کیا تو اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کرو۔ (ابن صبیح کہتے ہیں)۔

سالانہ رسالے کے لفافے پر جو پتہ چسپاں ہوتا ہے اس کے اوپر ہر خریدار کا خریداری نمبر درج ہوتا ہے۔ خریدار حضرات نوٹ فرمائیں۔
نوٹ اگر آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو چکی ہے تو پہلی فرصت میں اس کی توسیع فرمائیں، ورنہ آپ کی خریداری معطل ہو سکتی ہے۔ (نیچر) فرمائیں!

ہم نے ان سے کہا اور ایک دوسری روایت ہے کہ ربیع بن صبیح نے ان سے کہا! آپ کے پاس چار اشخاص الگ الگ شکایت لے کر آئے اور آپ نے سب کو ایک ہی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرو۔

امام حسن بصریؒ نے جواب دیا، میں نے انہیں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بتائی۔ میں نے تو انہیں اس بات کا حکم دیا ہے جو بات رب رحیم و کریم نے سورہ نوح میں بیان فرمائی ہے۔ سورہ نوح میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، آسمان سے تم پر موسلا دھار مینھ برسائے گا اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔“

اللہ اکبر! استغفار کے فوائد و ثمرات کتنے عالی شان اور زیادہ ہیں۔ اے مولائے کریم! ہمیں استغفار کرنے والوں میں شامل فرمائیے اور استغفار کی دنیاوی و اخروی خیر و برکت سے فیضیاب فرمائیے۔ آپ یقیناً فریادوں کے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

استغفار و توبہ کے رزق کا سبب ہونے کی دوسری دلیل وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو اپنی قوم کو دعوت دینے کا ذکر فرمایا

ہے۔ وہ آیت کریمہ درج ذیل ہے: (ترجمہ) ”اور اے میری قوم! اپنے رب سے (گزشتہ) گناہوں کی معافی طلب کرو پھر (آئندہ گناہ کرنے سے) توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے خوب زور کا مینھ برسائے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور گناہگار ہو کر پھر نہ جاؤ۔“

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ”پھر انہوں نے (حضرت ہود علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنے کا حکم دیا کہ اس سے سابقہ خطائیں مٹ جاتی ہیں۔ نیز اس بات کی تلقین کی کہ آئندہ گناہوں سے باز رہیں اور جس کسی میں (استغفار و توبہ کی) خوبی پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کا حصول سہل کر دیتے ہیں۔ ان کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں اور اس کی حفاظت فرماتے ہیں، اس لئے فرمایا یٰٰزُیْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِدْرَارًا۔

اے ہمارے اللہ کریم ہمیں توبہ و استغفار کی نعمت سے نواز دیجئے اور پھر ہمارے لئے رزق کا حصول سہل فرما دیجئے۔ ہمارے معاملات میں ہمارے حامی و ناصر ہو جائیے۔ آپ فریاد کو سننے اور پورا فرمانے والے ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔ وَالْاٰكْرَامُ۔

استغفار و توبہ کے حصول رزق کا سبب ہونے کی تیسری دلیل اللہ رب العالمین کا یہ

ارشاد گرامی ہے (ترجمہ) اور یہ کہ تم اپنے رب سے (گزشتہ گناہوں کی) معافی مانگو اور (آئندہ گناہ کرنے سے) توبہ کرو۔ وہ تم کو ایک مدت معین (یعنی موت) تک اچھی طرح (دنیا کے) مزے اڑانے دے گا اور جس نے زیادہ عبادت کی اس کو زیادہ اجر دیگا اور اگر تم پھر جاؤ تو بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔“

اس آیت کریمہ میں استغفار و توبہ کرنے والوں کے لئے اللہ مالک الملک کی طرف سے ”متاع حسن“ (اچھا ساز و سامان) عطا فرمانے کا وعدہ ہے اور ”متاع حسن“ عطا کرنے سے مراد جیسا کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے بیان فرمایا، یہ ہے کہ تمہیں تو نگیری اور فراخی رزق سے نواز دیں گے۔ امام قرطبیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”یہ استغفار و توبہ کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وسعت رزق اور خوش حالی سے نیرست و نابود نہ کریں گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو کیا۔“

اس آیت کریمہ میں استغفار و توبہ اور وسعت رزق میں وہی صلہ اور تعلق ہے جو صلہ و تعلق شرط اور اس کی جز کے درمیان ہوتا ہے۔ استغفار و توبہ کا ذکر بطور شرط کیا گیا ہے اور فراخی رزق کا بطور جزا۔ اور معلوم ہے کہ جب بھی شرط پائی جاتی ہے تو جزا کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بھی بندے کی طرف سے استغفار و توبہ ہوگی۔ رحمن و رحیم رب کریم کی طرف سے اس کے

لئے لازم وسعت رزق اور خوش حالی ہوگی۔
استغفار و توبہ کے حصول رزق کی کلید
ہونے کی چوتھی دلیل درج ذیل حدیث
ہے: (ترجمہ) امام احمد، امام ابو داؤد، امام
نسائی، امام ماجہ، امام حاکم، حضرت عبد اللہ
بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے
ہیں، انہوں نے فرمایا: جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے
کثرت سے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی
معافی طلب کی، اللہ تعالیٰ اس کو ہر غم سے
نجات دیں گے، ہر مشکل سے نکال دیں
گے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں
گے جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ اس

حدیث پاک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کثرت سے اپنے گناہوں کی
معافی طلب کرنے والے کو تین ثمرات
وفوائد حاصل ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور ان
تین میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ سب سب
بڑی قوت و طاقت کے مالک اللہ الرزاق
اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں گے
جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا اور
اس خبر کی سچائی اور حقانیت میں کیا شبہ ہو سکتا
ہے کہ خبر دینے والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی
ساری مخلوق میں سب سے سچے ہیں اور پھر
وہ ایسی خبر اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
کی وحی سے دیتے ہیں۔

پلہ کی ضرورت ہے

مسلمان بہنو! قرآن و حدیث کی رو
سے مسلمان خواتین کے لئے شرعی پردے کا
اہتمام کرنا ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ نماز،
روزہ، یعنی جس طرح نماز، روزہ وغیرہ فرض
عین ہیں ایسا ہی شرعی پردہ فرض عین ہے۔
بلکہ قرآن کریم نے ایک مقام پر
پردے کے حکم کو شریعت کے دوسرے
احکامات پر مقدم ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد
باری ہے: اے مومن خواتین! تم اپنے
گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ
جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم
نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو، اور
اللہ کے بعد اس کے رسول کا کہنا مانو۔“
(سورۃ احزاب، آیت ۳۳)

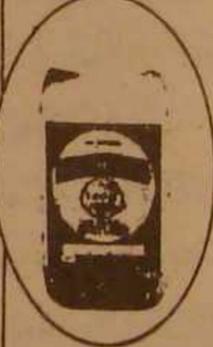
مذکورہ آیت مبارکہ میں خواتین کے
لئے گھروں کے اندر ٹھہرے رہنے کو واجب
قرار دیا گیا ہے۔ مگر مواقع ضرورت اس
سے مستثنیٰ ہیں۔ (معارف القرآن)
دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ”اے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی
صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی
عورتوں سے فرمادیجئے کہ جب مجبوری کی بنا

فرمایا کہ اس سے (یعنی شوہر کے رشتے دار
دیور وغیرہ سے) تو اس طرح ڈرتے رہنا
چاہئے جس طرح کہ موت سے ڈرا
جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص 268) مطلب یہ
ہے کہ ان سے پردہ کرنے میں دوسرے غیر
محرموں کے بہ نسبت زیادہ خطرہ ہے۔

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد جب کسی (غیر
محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو
وہاں ان دونوں کے علاوہ شیطان بھی ضرور
موجود ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص 269
از ترمذی)

بہر حال بکثرت آیات قرآنیہ اور
احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرعی
پردے کا فرض اور لازمی ہونا ثابت ہے۔
یہی جمہور علما کا قول ہے۔
پردے کی حد
پردے کی حد یہ ہے کہ جب لڑکے
دس سال کے ہو جائیں اور ان کے جسم کی
ظاہری نشوونما بالغوں کی طرح معلوم ہو تو
ان سے دس سال سے ہی پردہ کیا جائے گا۔
اگر ماحول، حالات اور جسمانی نشوونما
سے اندازہ نہ ہو تو بارہ سال تک رخصت
ہوگی۔ اس کے بعد عورتوں پر پردہ ضروری
ہوگا۔ پندرہ سال پورے ہونے کے بعد تو
کسی طرح گنجائش باقی نہیں رہتی، کیونکہ
پندرہ سال پورے ہونے کے بعد بالاتفاق
اس پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔
(احسن الفتاویٰ)

حسنی فارمیسی کی مفید دوائیں



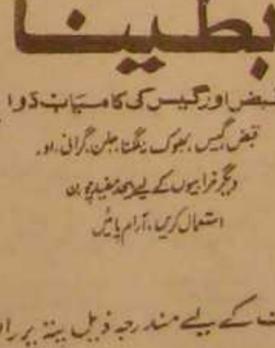
نشکر
شہت و کھانسی کا مہیا ہے اب تین دنوں
تدریجی بڑی بوٹیوں سے تیار شدہ، پیشاب
سے شکر کو ختم کر کے خون میں شکر کو کم کر دیا گیا ہے



ہردینا
! وہ کہ چڑکی کہتے ہیں تین دنوں میں
گروہ، خاندان کی بھاری درد، پیشاب میں ریت
فون اور مین کیلے کیسا مفید



زودامین
قبض اور جیس کی کا مہیا ہے دوا
قبض، گیس، بھوک نہ لگنا، جلن، گرانی اور
دیگر غریبوں کے لیے مہیا ہے
استعمال کریں آرام پائیں
درد اور پتھری کا بہ نکلنے سے سیرپ



بطینا بیدون
شاد خون اور جلدی اور جلد کی خشکیت
خون نسا، بھروسہ، جھنسی، نمازش
اور جلدی امراض کا کامیاب سیرپ
بندام کے لیے نہایت مفید اور شکر والا

مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ فرمائیں



HASANI PHARMACY

Ph. (O) 202677, (R) 229021 (F) 229174 (M) 9838023223, 177/41 GWYNNE ROAD LUCKNOW-226018 UP (INDIA)

ماہنامہ رضوان لکھنؤ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۱

لیکن افسوس، صد افسوس! مسلمان خواتین نے اسلام کے اس اہم حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور مردوں نے بھی اپنی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بچیوں کو اس پر عمل کرانا چھوڑ دیا ہے۔

جہاں کہیں پردے کا کچھ تصور ہے وہ برائے نام ہے۔ (الاماشاء اللہ) بہت سی خواتین اس دھوکے میں ہیں کہ ہم باپردہ ہیں۔ جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو برقع اوڑھ لیتی ہیں۔ لیکن گھر میں ہر قسم کے مردوں سے احتیاط رکھتی ہیں۔ ایسے پردے کو "رواج" تو کہہ سکتے ہیں، مگر اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے

حالاں کہ جس طرح غیر محرم مردوں

مہندی

ایک ہمہ صفت پودا

نوائے بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے یہ دو اؤں میں استعمال کرائے جاتے ہیں۔ مہندی کے پتے زمانہ قدیم سے مریضوں کو استعمال کرائے جاتے رہے ہیں۔ جالبینوں نے چچک کے مریضوں کے ٹکڑوں پر مہندی لگانے کا مشورہ دیا ہے۔ چینی طریق علاج میں اس کا تذکرہ سب سے پہلے شاہ کیا سنگ (Kiatsung) نے اپنی کتاب میں لکھا

مہندی میں دو آئی و تجارتی دونوں طرح کے نوائے قدرت نے بڑے فیاضی سے جمع کر دیے ہیں۔ مہندی کی مقبولیت کسی ایک ملک و خطہ زمین تک محدود نہیں رہی بلکہ عرب، امریکہ، چین، برصغیر و ہند اور بعد میں یورپی ممالک تک پھیلی چلی گئی۔

مہندی کے پتوں میں بہت سے طبی

ہے۔ برٹش فارما کو پیا کی پہلی اشاعت میں مہندی کے پتوں کو معدے کے زخم اور پیش میں مفید بیان کیا گیا ہے۔ ابن زہر نے ناخنوں کے امراض خاص طور پر ان کے ٹیڑھے میڑھے ہو جانے پر مہندی مکھن میں ملا کر کئی روز تک لگانے کا مشورہ دیا ہے۔

جلے ہوئے مقام پر مہندی لگانے سے آبلہ نہیں پڑتا اور تسکین ہو جاتی ہے۔ گرمی دانوں اور آشوب چشم میں بھی اسے لگایا جاتا ہے۔ سر کی پھنسیوں اور خارش کے لئے روغن زیتون میں ملا کر لگاتے ہیں۔ بالوں کو مضبوط اور صحت مند رکھنے کے لئے مہندی کے استعمال کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ مہندی اندرونی اور بیرونی دونوں طرح سے مصفی خون کے طور پر بھی استعمال کرائی جاتی ہے۔

مہندی کے پھول سوگھنے سے درد سر رفع ہو جاتا ہے۔ فاج و لقوہ کے مریضوں کو بھی استعمال کرائے جاتے ہیں۔ دردوں کو دور کرنے کی صفت بھی ان میں موجود ہے اور قاتل دیدان شلم (پیٹ کے کیڑے ہلاک کرنے والے) ہیں۔ مہندی کے پھولوں او رنازک پتیوں سے ایک رس نکالا گیا ہے۔ جو جذام کے مریضوں کو استعمال کرایا جاتا ہے۔ مہندی لگانا سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مہندی لگانا پسند فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کی ہدایت بھی فرمائی ہے اور مہندی کو "سید الریحان" (پودوں کا سردار) کے لقب سے نوازا ہے جس کے بعد اس پسندیدہ پودے کی توصیف میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

از۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی

انتہائی صفائی کے ساتھ اپنے سفر نامے میں یہ لکھا کہ میں نے کتب خانہ دیکھا۔ الماریاں تو موجود تھیں، مگر کتابیں نادر تھیں۔ ان کتابوں کو اسکندریہ کے عیسائی پہلے ہی آگ دکھا چکے تھے۔

ہندوستان میں برہمنوں نے تعلیم و تعلم پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ دوسرے طبقات کے لئے علم کی خوشہ چینی ممنوع بلکہ سزا کی بھی موجب بن جاتی تھی۔ یہودیوں میں رہبانوں نے علم کو اپنی جاگیر بنا رکھا تھا۔ اور اس جاگیر کے بل پر وہ لوگوں پر حکمرانی بھی کرتے تھے غرض یہ کہ علم اور تعلیم و تعلم کو عوام کیلئے شجر ممنوع بنا دیا گیا تھا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم کو بہر حال ہر دور کے اعلیٰ طبقے میں عوامی استحصال کا ذریعہ بنایا گیا اور اسی کے نام پر اپنی خدائی کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور اس طرح سے علم کو ہمیشہ تماشا بنا کر رکھا گیا۔

بلاشبہ یہ اسلام کا کارنامہ ہے کہ اس نے طلب علم کو ایک "فریضہ" قرار دیا۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ طلب علم کو فرض بھی قرار دے دیا جاتا تو بہت اہم بات ہوتی، لیکن فرض نہ کہہ کر فریضہ کی قید لگا دینے سے مفہوم میں جو وسعت اور معنویت پیدا کی گئی ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں فریضے کا تصور کچھ اس طرح ہے۔

ایک ایسی ذمہ داری سے جس سے انسان کسی صورت میں بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ تمام شغولیتیں اور صعوبتیں بھی ادا کی فریضہ

زمانے کے اعیان و رؤسا اس کی شاگردی کے خواہاں رہتے تھے۔ وہ بھی عیسائیت کے ہنجے استبداد سے نہ بچ سکی۔ پادریوں نے ہی اپنے مقدس عصائے پطرس کی ضربوں سے اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس کے نازک جسم کی بری طرح مشلہ کر کے نذر آتش کر دیا گیا۔

اسکندر مقدونی کی سلطنت اس کے تین سہ سالاروں میں تقسیم ہوئی تو مصر بطلمیوس کے حصے میں آیا۔ اس کی علم دوست اولاد نے مصر کو علوم و فنون کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مصر کے پایہ تخت اسکندریہ میں ایک بے مثال کتب خانے کی بنیاد رکھی گئی جس میں رفتہ رفتہ سات لاکھ کتابیں جمع ہو گئیں جن میں آدھی تو جو لیس سینزرنے جلادیں اور باقی جو کتابیں بچیں وہ عیسائیوں کے دور اقتدار میں تلف کر دی گئیں۔ اس کتب خانے کی تباہی کو مسلمانوں کا عمل قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس الزام کو بہت زور و شور کے ساتھ اچھالا بھی جاتا ہے، لیکن اسپین کے ایک مورخ اور لیس کے سفر نامے سے اس کی تردید ہوئی ہے۔ اس نے 413ء یعنی قبل از بعثت نبوی اسکندریہ کا دورہ کیا اور

تعلیم کی اہمیت کو آج جس شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، ماضی بعید میں اسی قدر شد و مد کے ساتھ اس کی مذمت کی جاتی تھی اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی اور اس کے علم برداروں کو نشانہ ستم بنایا جاتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ تاریخ میں ایسے بھی ادوار گزرے ہیں جب تعلیم و تعلم کو معاشرے کا ناسور بتایا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں جب ہم زیادہ تفصیل میں جاتے ہیں تو ہم پر اس تعلق سے مختلف قوموں کے حیرت ناک رویوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

روم میں عیسائی تسلط کے بعد علم و اہل علم پر تباہی کا جو دور گزرا ہے وہ تاریخ کی بدترین مثال ہے۔ دین کے نام پر ہر غیر مسیحی وجود کو فنا کرنے کا عمل شروع کر دیا گیا۔ علوم و فنون کے تمام ذخیرے تلف کر دیے گئے۔ قدیم مصر کے پایہ تخت میمنس اور عین الشمس کے کھڈرات آج بھی اس قیامت پر نوحہ کناں ہیں۔ مصری شہر اسکندریہ جو کبھی گہوارہ معلوم بنا ہوا تھا۔ جب سلطنت روما کا زیر نگیں ہوا تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ ہاں بتیبا نام کی ایک عورت اپنے وقت کی مایہ ناز عالمہ تھی۔

میں مانع نہیں بن سکتیں۔

ایسی ذمہ داری جس کی ادائیگی عبادت میں شمار ہوتی ہے اور چوں کہ عبادت کے مقصدیات میں امانت و دیانت، طہارت و نظافت اور اخلاص نیت و صفائی قلب بھی شامل ہے، اس لئے ایسے تحصیل علم کے فریضے کی ادائیگی میں بھی امور ضروری متصور ہوں گے۔

فریضے کی ادائیگی انسان کو اس کے خالق سے قریب تر کرنے کا سبب بنتی ہے۔ طلب علم بھی ایک فریضہ ہے لہذا اس کی انجام دہی سے خدا کی قربت کا احساس جاں گزیر ہونا گزر رہا ہے۔

اسلام میں تعلیم و تعلم دونوں کی کس قدر اہمیت ہے، حدیث ذیل سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

”جاہل کو سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنی جہالت پر تکیہ کئے رہے اور نہ عالم کو یہ سزاوار ہے کہ وہ اپنے علم کو پوشیدہ کئے رہے۔“

ایک اور مختصر حدیث میں فرمایا گیا ہے: ”علم خزانہ ہے اور سوال ان کی کنجیاں ہیں۔“

اس موقع پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا قول نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

”علم سیکھو کہ اس کا سیکھنا خوف خدا کا موجب ہے، اس کی جستجو کرنا عبادت ہے، اس کی گفتگو و مشغولیت تسبیح میں شمار ہوتی ہے اور اس کی تلاش و تحقیق (میں مشقت اٹھانا بھی) جہاد ہے۔ اس کا استعمال یعنی اس

میں استفادہ تقرب الہی کا ذریعہ بنتا ہے اور ناواقفوں کو علم سے بہرہ مند بنانا کار خیر ہے۔ (الترغیب والترہیب)

قرآن کریم کی متعدد آیات سے علم و اہل علم کے مرتبے پر روشنی پڑتی ہے۔ سورہ

قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ اہل علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔

سورہ مجادلہ میں فرمایا گیا ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا العلم درجات۔ تم میں سے اللہ انہیں کے درجات بلند کرتا ہے جو اہل ایمان و اصحاب علم ہیں۔

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ جہاں کہیں اس کے پیروؤں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ علم کے چرچے بھی عام ہوئے۔

مکاتب و مدارس کا جال پھیلا اور وہ علاقے جو کبھی غیر تمدن تھے، مدینیت و حضارت کا مرکز بن گئے۔ مرحوم اندلس، بغداد و بصرہ، موصل و کوفہ اور قاہرہ جیسے مختلف شہروں کی علمی و تمدنی تاریخ پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔

اسلام سے پہلے زیادہ تر انحصار عقلی و نظری علوم پر کیا جاتا تھا، لیکن اس کی آمد کے بعد سے جہاں بہت سی تبدیلیوں نے جنم لیا وہاں ایک سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات کے طفیل علوم کی دوسری اقسام کی باضابطہ بنیاد پڑی۔ یعنی عمرانی

علم سے پہلے زیادہ تر انحصار عقلی و نظری علوم پر کیا جاتا تھا، لیکن اس کی آمد کے بعد سے جہاں بہت سی تبدیلیوں نے جنم لیا وہاں ایک سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات کے طفیل علوم کی دوسری اقسام کی باضابطہ بنیاد پڑی۔ یعنی عمرانی

علم سے پہلے زیادہ تر انحصار عقلی و نظری علوم پر کیا جاتا تھا، لیکن اس کی آمد کے بعد سے جہاں بہت سی تبدیلیوں نے جنم لیا وہاں ایک سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات کے طفیل علوم کی دوسری اقسام کی باضابطہ بنیاد پڑی۔ یعنی عمرانی

و صنعتی۔ سماجی و معاشرتی علوم کی تدوین ہوئی اور فنی تعلیم کو بھی سنجیدگی کے ساتھ فکر و عمل کا موضوع بنایا گیا۔

قرآن کریم کی ابتدائی ”آراء“ میں تعلیم و تعلم کے دو بنیادی ذریعے بھی قرأت اور قلم کے ذکر سے اسلام کے اس بنیادی پہلو کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کے لئے علم کا سہارا نہ لیں تو ہماری کوئی حیثیت نہ رہے گی۔ سورہ ”ن“ میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ قلم کی قسم کھا کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مرتبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر صاد کیا گیا ہے۔ ایک پیغمبر جو اپنے لکھے ہوئے نام تک نہ پڑھ سکتا ہو وہ بھلا خود کچھ لکھنے پر کیا قادر ہوگا۔ اس کے باوجود اس نے علم کا

ایک بڑا محرذ خا قرآن و حدیث کی صورت میں آنے والی نسل کے لئے منتقل کر دیا۔ اس سے بڑا اور اعجاز اور کیا ہو سکتا ہے اور اسی اعجاز کی داد دینے کے لئے ”ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ“ میں قلم کو اور قرطاس پر

ثابت ہونے والے اس کے نقوش کو شاید بنایا گیا ہے۔ یہ شہادت اسلام میں نوشت و خواند اور قرآن میں قرأت کا لفظ متعدد مفہوموں کے لئے آیا ہے اور یہ سب

مفہیم تعلیم کے تمام پہلوؤں پر صادق آتے ہیں۔

قلم و قرأت کی بنیاد پر جو علوم و فنون حاصل کئے جاسکتے ہیں ان پر بھی نیز وہ علوم بھی جو ہمیشہ سے انسانی ارتقا کے لئے ضروری سمجھے جاتے رہے ہیں، قرآن میں

واضح رہنمائی دی گئی ہے اور ان کے تحصیل و تعلیم کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سورہ نور کے دوسرے رکوع کا مطالعہ مفید ہوگا۔

پہلی آیت میں علم حیاتیات کا ذکر کیا گیا ہے، دوسری آیت میں فطرت کے سر بستہ رازوں کی طرف اشارہ کر کے غور فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تیسری آیت میں لسانیت اور ان کے اختلافات نیز رنگ و نسل کے ساتھ ان کے خصوصی رشتوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے رنگ و نسل اور زبانوں کے علما کو دعوت تعلیم دی گئی ہے۔ چوتھی آیت میں رات دن کے فرق سے انسان پر پڑنے والے نفسیاتی اثرات کی نشان دہی کر کے اہل سمج و بصر کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پانچویں آیت میں علم موسمیات اور اس کی خصوصیات و اثرات کی طرف اہل عقل کو متوجہ کیا گیا ہے۔ چھٹی آیت کائنات کا نظام اور انسانوں کے انجام سے اس کے مضبوط اور گہرے رشتے پر روشنی ڈالتی ہے۔

یہ تمام اختیارات جن کو محض دینیات و مذہبیات سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، دراصل علوم کی مختلف شاخوں سے سود مند استفادے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح سورہ فاطر کی 36 ویں آیت میں بعض جماداتی اختلافات سے زندگی پر جو اثرات رونما ہوتے ہیں ان کو بیان کر کے ایک بڑی عجیب حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے وہ ہے انما یخشی اللہ من عباده

واضح رہنمائی دی گئی ہے اور ان کے تحصیل و تعلیم کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سورہ نور کے دوسرے رکوع کا مطالعہ مفید ہوگا۔

پہلی آیت میں علم حیاتیات کا ذکر کیا گیا ہے، دوسری آیت میں فطرت کے سر بستہ رازوں کی طرف اشارہ کر کے غور فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تیسری آیت میں لسانیت اور ان کے اختلافات نیز رنگ و نسل کے ساتھ ان کے خصوصی رشتوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے رنگ و نسل اور زبانوں کے علما کو دعوت تعلیم دی گئی ہے۔ چوتھی آیت میں رات دن کے فرق سے انسان پر پڑنے والے نفسیاتی اثرات کی نشان دہی کر کے اہل سمج و بصر کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پانچویں آیت میں علم موسمیات اور اس کی خصوصیات و اثرات کی طرف اہل عقل کو متوجہ کیا گیا ہے۔ چھٹی آیت کائنات کا نظام اور انسانوں کے انجام سے اس کے مضبوط اور گہرے رشتے پر روشنی ڈالتی ہے۔

العلماء یعنی لوگوں میں جو اہل علم ہیں وہ خدا سے صحیح طور پر خائف رہتے ہیں۔ انہیں آیات میں اس کا جواب بھی ملتا ہے کہ تعلیم و تعلم کا مقصد کیا ہونا چاہئے۔ یہ ایسا سوال ہے جس کے جواب سے بہت سے مسائل پر بھی اچھی روشنی پڑے گی۔

بعثت نبوی کے بعد دنیا سائنسی ادوار سے متعارف ہوئی ہے۔ پہلا دور عباسی خلافت کی دین ہے۔ دوسرا دور یورپ کے عروج سے وابستہ ہے۔ پہلے سائنسی دور میں بھی نت نئی ایجادات ہوتی رہی ہیں، لیکن ان کا رخ ہمیشہ افادی اور مثبت رہا ہے جب کہ دوسرے دور کی بیشتر ایجادات انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔

پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ زمام قیادت چوں کہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے، اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علما و سائنس دان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضے کی ادائیگی اخلاص و نیت و صفائی قلب، امانت و طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے اس فریضے کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

انسان تعلیم کسی مقصد سے حاصل کرتا ہے اور پھر مقصد کے تحت ہی اس کا استعمال

انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔ پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ زمام قیادت چوں کہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے، اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علما و سائنس دان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضے کی ادائیگی اخلاص و نیت و صفائی قلب، امانت و طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے اس فریضے کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

انسان تعلیم کسی مقصد سے حاصل کرتا ہے اور پھر مقصد کے تحت ہی اس کا استعمال

انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔ پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ زمام قیادت چوں کہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے، اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علما و سائنس دان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضے کی ادائیگی اخلاص و نیت و صفائی قلب، امانت و طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے اس فریضے کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

انسان تعلیم کسی مقصد سے حاصل کرتا ہے اور پھر مقصد کے تحت ہی اس کا استعمال

انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔ پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ زمام قیادت چوں کہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے، اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علما و سائنس دان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضے کی ادائیگی اخلاص و نیت و صفائی قلب، امانت و طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے اس فریضے کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

انسان تعلیم کسی مقصد سے حاصل کرتا ہے اور پھر مقصد کے تحت ہی اس کا استعمال

انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔ پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ زمام قیادت چوں کہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے، اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علما و سائنس دان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضے کی ادائیگی اخلاص و نیت و صفائی قلب، امانت و طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے اس فریضے کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

بھی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل چیز مقصد ہوئی، تعلیم نہیں، مقصد پر سارا دارومدار ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور مقصد کو سامنے رکھ کر تعلیم و تعلم پر پھرے لگائے جاتے ہیں۔ اسلام اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیم و تعلم کو سامنے رکھ کر فیصلے دیتا ہے۔ کسی بھی علم کو محض اس وجہ سے حاصل کرنا کہ وہ علم ہے، اسلام کے نزدیک ہرگز معیوب نہیں ہے لیکن اسی علم کے حصول کے ساتھ اگر غلط مقصد وابستہ ہو تو اسلام ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ یہی رویہ دوسرے علوم و فنون کے ساتھ بھی برتا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علوم کی تحصیل اور ان کو برتنے کے لئے امت کو کسی طرح کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ صرف مقاصد کے تعلق انسانی ضروریات کے پیش نظر ہر فرد کو ان کی تعلیم و تعلم کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے

انتم اعلم بامور دنیا کم تم اپنے دنیاوی امور کے زیادہ بہتر جاننے والے ہو۔

ایک حدیث ہے اطلبوا العلم ولو بالصین علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی میں جب خالص دینی علوم کے لئے کسی دوسری جگہ جانے کی چنداں احتیاج نہیں تھی تو پھر چین کے ذکر کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کو دنیاوی علوم

بھی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل چیز مقصد ہوئی، تعلیم نہیں، مقصد پر سارا دارومدار ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور مقصد کو سامنے رکھ کر تعلیم و تعلم پر پھرے لگائے جاتے ہیں۔ اسلام اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیم و تعلم کو سامنے رکھ کر فیصلے دیتا ہے۔ کسی بھی علم کو محض اس وجہ سے حاصل کرنا کہ وہ علم ہے، اسلام کے نزدیک ہرگز معیوب نہیں ہے لیکن اسی علم کے حصول کے ساتھ اگر غلط مقصد وابستہ ہو تو اسلام ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ یہی رویہ دوسرے علوم و فنون کے ساتھ بھی برتا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علوم کی تحصیل اور ان کو برتنے کے لئے امت کو کسی طرح کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ صرف مقاصد کے تعلق انسانی ضروریات کے پیش نظر ہر فرد کو ان کی تعلیم و تعلم کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے

انتم اعلم بامور دنیا کم تم اپنے دنیاوی امور کے زیادہ بہتر جاننے والے ہو۔

ایک حدیث ہے اطلبوا العلم ولو بالصین علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی میں جب خالص دینی علوم کے لئے کسی دوسری جگہ جانے کی چنداں احتیاج نہیں تھی تو پھر چین کے ذکر کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کو دنیاوی علوم

بھی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل چیز مقصد ہوئی، تعلیم نہیں، مقصد پر سارا دارومدار ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور مقصد کو سامنے رکھ کر تعلیم و تعلم پر پھرے لگائے جاتے ہیں۔ اسلام اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیم و تعلم کو سامنے رکھ کر فیصلے دیتا ہے۔ کسی بھی علم کو محض اس وجہ سے حاصل کرنا کہ وہ علم ہے، اسلام کے نزدیک ہرگز معیوب نہیں ہے لیکن اسی علم کے حصول کے ساتھ اگر غلط مقصد وابستہ ہو تو اسلام ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ یہی رویہ دوسرے علوم و فنون کے ساتھ بھی برتا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علوم کی تحصیل اور ان کو برتنے کے لئے امت کو کسی طرح کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ صرف مقاصد کے تعلق انسانی ضروریات کے پیش نظر ہر فرد کو ان کی تعلیم و تعلم کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے

انتم اعلم بامور دنیا کم تم اپنے دنیاوی امور کے زیادہ بہتر جاننے والے ہو۔

ایک حدیث ہے اطلبوا العلم ولو بالصین علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی میں جب خالص دینی علوم کے لئے کسی دوسری جگہ جانے کی چنداں احتیاج نہیں تھی تو پھر چین کے ذکر کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کو دنیاوی علوم

دعوت اسلام

میں

خواتین کا کردار

کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا بلکہ اپنے لئے آزمانشوں کو مول لینا تھا۔ انہوں نے صرف اسلام ہی قبول نہ کیا بلکہ آپ کی ڈھارس بندھانے والی، حق کی مدد کرنے والی، آپ کو توکل و بھروسہ کی تلقین کرنے والی تھیں، انہوں نے سب سے پہلے دین حق کا علم اٹھایا اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیا اور یہ کام نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ مردوں اور تمام نسل انسانی کے لئے قابل فخر ہے۔

ان کا مال، دل و دماغ سب اسلام پر نثار ہوا۔ نبی کریم کو ان کی وفات کا سب سے زیادہ غم ہوا۔ اس لئے نہیں کہ وہ آپ کی بیوی تھیں بلکہ اس لئے کہ دین کا سب سے بڑا جانثار دنیا سے اٹھ گیا۔ اہل حق پر بہت سخت دور آئے۔ کون سی مصیبت ہے جو ان پر نہ توڑی گئی ہو، کانٹوں میں گھسیٹے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، گرم سلاخوں سے داغے گئے، زد و کوب کئے گئے۔ ان مصیبتوں کو مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی سہا بلکہ تکلیفیں جھیلنے اور شہداء و مصائب برداشت کرنے کی ان جیسی مثالیں مرد بھی پیش نہیں کر سکتے۔

اس وقت غلط تعلیم و تربیت اور غلط روایات کے پھیلنے کی وجہ سے ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ عورتیں جس طرح اپنی روٹی کپڑے کی ذمہ داری مردوں پر سمجھتی ہیں اسی طرح دین کی ساری ذمہ داریاں بھی مردوں پر ہی خیال کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ بات روز روشن کی کرح عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام جو دین لیکر آئے، اس دین کی مخاطب عورتیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ فرائض کی حدود و ضرور مختلف ہیں لیکن دین کو اختیار کرنے اور اس کو قائم کرنے، حق کی راہ میں جد و جہد کرنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اقامت دین کی جد و جہد میں عورتوں نے مردوں کے برابر حصہ لیا ہے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ محمد عربیؐ نے جب دین حق کی دعوت دی تو سب سے پہلے جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا ان میں ایک خاتون خدیجہ الکبریٰ تھیں۔

حالانکہ ایسے وقت میں اسلام کو قبول

نظام قائم نہ ہو نہیں ہو سکتا۔ اور دنیاوی معاملات کا انتظام انسانوں کے کاموں اور مشاغل (پیشوں) پر موقوف ہے۔ انسانی پیشے تین قسم کے ہیں:

ایسے پیشے جو انسانی زینت کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں وہ چار ہیں:

(۱) زراعت۔ (۲) پارچہ بانی۔ (۳) عمارت سازی اور (۴) خاندان و ملک کے انتظام اور اسباب معیشت کی فراہمی نیز ان کی حفاظت کیلئے سیاست۔

دوسرے قسم کے پیشے وہ ہیں جو پہلی قسم کے پیشوں کیلئے معاون کا درجہ رکھتے ہیں جیسے طباطخی و خیاطی۔ تیسری قسم میں وہ پیشے آتے ہیں جو صنعتی کہے جاسکتے ہیں۔

اس سب میں سے پہلی قسم کے پیشوں کو فضیلت حاصل ہے خاص طور پر علم سیاست کی فضیلت زیادہ ہے کہ اس سے نظم و ضبط کا وجود عمل میں آتا ہے اور اس کے ذریعے سے مخلوق کی اصلاح کی جاتی ہے اور انہیں حق (فلاح) کی راہ دکھائی جاتی ہے۔

علم دین اور مذکورہ علوم کی تحصیل کرنے والوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ایک جگہ امام رازیؒ نے لکھا ہے، علم دین حاصل کرنے والوں کی مثال ان مجاہدوں کی سی ہے جو جہاد کے میدانوں میں اپنا سر ہتھیلی پر لئے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہیں اور دوسرے علوم کو حاصل کرنے والوں کی مثال فوج کے ان دستوں کی سی ہے جو سرحد کی حفاظت کیلئے متعین ہوتے ہیں۔ (احیاء العلوم جلد 1، صفحہ 95) ●

۱۔ پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی امور کی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں جیسے علم طب اور حساب وغیرہ۔ ان علوم میں بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا افضل ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو حاصل کیا جاسکتا ہے، مگر ان کی تحصیل ضروری نہیں ہے۔

مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فرض کفایہ وہ علوم ہیں جن کے ہم دنیاوی زندگی اور کاروبار کے قائم اور باقی رکھنے میں محتاج ہیں جیسے علم طب، علم حساب، کاشت کاری، باغ بانی، پارچہ بانی اور دوسرے صنعتی علوم۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا اگرچہ فرض نہیں ہے، مگر افضل ضرور ہے جیسے علم حساب و علم طب وغیرہ میں تخصیص و تحقیق کہ اس کے بغیر انسان زندگی تو ضرور گزار سکتا ہے لیکن اس سے بہرہ مند ہونے کے بعد مزید خوش گوار نتائج سامنے آجاتے ہیں۔

مباح علوم کے ذیل میں شعر و ادب جو فحاشی پر مبنی نہ ہوں اور علوم تاریخ وغیرہ آتے ہیں۔ اور ناپسندیدہ علوم میں سحر، شعبدہ بازی وغیرہ شامل ہیں۔

(احیاء العلوم، اول)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں کہ جب علم سب میں افضل ٹھہرا تو اس کی تحصیل بھی سب سے افضل ہوگی۔ نیز دوسروں کو اس سے بہرہ مند کرنا بھی سب سے افضل نیکی شمار ہوگی۔ انسان کی پیدائش کا مقصد دین اور دنیا دونوں کے مجموعے پر مشتمل ہے، کیوں کہ دین کا نظام جب تک دنیاوی

کی تحصیل کے لئے بھی وقت اور مال و مشقت کے صرف کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یہ حدیث اصول حدیث کی رو سے مختلف فیہ ہے، لیکن امام رازی اور امام غزالی نیز امام ابن عبد البر نے بھی اس حدیث سے استناد کیا ہے اور اسی وجہ سے مذکورہ حدیث قابل اعتماد ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر جو کفار قید ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہائی کے لئے یہی شرط رکھی کہ ان میں سے ہر پڑھا لکھا قیدی کسی مسلمان کو پڑھنا لکھنا سکھادے۔ جب شرط پوری کر دی گئی تو ان کو رہا کر دیا گیا۔

امام رازی نے تعلیم پر بحث کرتے ہوئے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں: (۱) علوم شرعیہ اور (۲) علوم غیر شرعیہ۔

علوم شرعیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست حاصل ہوئے ہیں۔ ان کی طرف عقل کی رہ نمائی اس طریقے سے نہیں ہو سکتی جس طریقے سے عقل کے ذریعے علم حساب سکھایا جاتا ہے، نہ وہ تجربے حاصل ہوتے ہیں جیسے علم طب کی تدوین ہوتی ہے اور نہ محض سننے سے ان کا حاصل کرنا ممکن ہے جیسے علم لغت سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد جو علوم غیر شرعیہ ہیں ان میں سے بعض پسندیدہ ہیں اور بعض غیر پسندیدہ اور بعض ایسے ہیں جو صرف درجہ مباح رکھتے ہیں۔

پھر جب وقت آیا کہ مکہ کی فضا اہل حق کے لئے بالکل ناسازگار ہو گئی، قریش نے مسلمانوں پر خدا کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اس میں بھی خواتین شریک تھیں۔ اس کے بعد ہجرت مدینہ کا مرحلہ پیش آیا تو جس طرح مردوں نے اپنے وطن، اپنے عزیز اور اپنے اموال کو خیر باد کہا اسی طرح عورتوں نے بھی سارے علاقے کو ترک کر کے حق کا ساتھ دیا۔

تاریخ کے اندر صبر آزما مرحلوں میں بھی عورتوں کی قربانی، ان کے اسلام سے تعلق کی ایسی شاندار مثالیں ملتی ہیں کہ اگر ان کو تفصیلاً بیان کیا جائے تو داستان طویل ہو جائے گی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک عورتیں اپنے درجے کو ٹھیک ٹھیک سمجھتی تھیں اور جب تک یہ یقین دلوں میں جا گزریں تھیں کہ اسلام کی دعوت کے مخاطب مرد عورتیں دونوں ہی ہیں اور اقامت دین کی خاطر مردوں کی طرح عورتوں نے بھی ان تمام تلخیوں کو گوارا کیا اور محبت رسولؐ کی ایسی روایتیں قائم کیں کہ ان کو سن کر آج بھی دلوں میں گرمی اور ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ احد کے معرکے میں بعض دوسری ناگوار افواہوں کے ساتھ یہ خبر پھیل گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ اس خبر کا مدینہ پہنچنا تھا کہ ایک انصاریہ خاتون گھر سے نکل پڑی اور سیدھے میدان جنگ کی

طرف روانہ ہو گئیں۔ احد سے واپس آنے والا جو شخص ملتا اس سے نبی اکرم کا حال دریافت کرتیں۔ بعض آدمیوں نے ان سے کہا کہ نہایت غم و افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ تمہارا نوجوان بیٹا، تمہارے والد، تمہارے شوہر جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر کس قدر صبر آزما تھی۔ ایک عورت کا کلیجہ پھاڑ دینے کے لئے ان میں سے کوئی ایک خبر بھی کافی تھی، ان کے عزیز ترین افراد رخصت ہو گئے تھے۔ ان کا اسلام سے جو تعلق تھا اس کا اثر دیکھتے فرماتی تھیں میں بھائی، شوہر کا ماجرا نہیں پوچھ رہی ہوں، ارے یہ بتاؤ کہ محمد کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ صبح سلامت ہیں، بولیں، میں اس وقت مان نہیں سکتی جب تک کہ میں روئے مبارک کو خود نہ دیکھ لوں۔ اس کے بعد آپ کو صبح و سالم دیکھ کر فرمایا ہر مصیبت آپ کے سامنے کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے جو بطور مثال کے میں نے پیش کیا۔ تاریخ کے اندر یہ بات عیاں ہے کہ جنگوں میں مردوں نے تیر و خنجر چلائے تو عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا، ان کی مرہم پٹی کی، جانی مالی قربانی دی۔ یہ اس دور کا حال تھا جب عورتیں جانتی تھیں کہ مرد و عورت دونوں دین حنیف کے یکساں مخاطب ہیں۔ اسلام کے اثرات ان کے قلوب میں پیوست تھے۔ لیکن اب دیکھئے کیسی کاپیٹ گئی ہے۔

وقفہ کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی طرح دین کی خاطر کوشاں رہنا صرف مرد کا ہی فریضہ ہے۔ حالانکہ آپ نے مردوں اور عورتوں کو دعوت یکساں دی ہے۔ اس غلط تصور نے اسلامی معاشرے کو بگاڑ دیا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں سوسائٹی کے تمام خرافات پھیلانے کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ عورتوں کے بگڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام نسل کی ذہنی، اخلاقی حالت مسموم ہو جاتی ہے۔ کوئی ماں اپنے بچے کے منہ میں صرف دودھ ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کے ساتھ اپنے اخلاق کی روح بھی اس کی رگوں کے اندر اتارتی ہے۔ اگر اس کے اندر اخلاق انسانی، حسن ایمان مردہ ہے تو اس سے زیادہ زہریلے جراثیم بچے میں سرایت کر جائیں گے۔ صحیح اسلامی تربیت کا اصلی سرچشمہ ہماری مائیں ہیں، جب تک ہماری مائیں حضرت اسماء کے نمونہ کی تقلید نہ کریں تو کس طرح عبد اللہ بن زبیر جیسے جانناز پیدا ہوں گے۔ ہم صرف ایک ہاتھ سے دین حق کی عمارت قائم نہیں کر سکتے، اس میں دوسرے ہاتھ یعنی عورتوں کا تعاون ضروری ہے۔ ہماری نسلوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ ماں کی چھاتی کے ایک ایک قطرہ کے ساتھ بچہ جذبات و اخلاق بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اس کی ایک ایک اداسے عمل کے طریقے سیکھتا ہے۔

ماں اگر مومنہ اور مسلمہ ہے تو بچہ مومن و مسلم۔ ہم اپنی نسلوں کی تمام اثرات سے

حفاظت کر بھی لیں تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ ماؤں کے نیک و بد اثرات سے ان کو بچا سکیں۔ مردوں کی خرابی کے اثرات بھی مہلک ہیں۔ مگر ان کی خرابی سے ممکن ہے کہ بچنے کی شکل پیدا ہو جائے لیکن عورتوں کے بگاڑ کے خراب نتائج سے بچنا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے ان پر ذمہ داری سخت ہے۔

میں ماؤں اور بہنوں کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی غفلت کو دور کریں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، یہ چیز ان کے فرائض میں ہے وہ سمجھیں کہ اللہ کا دین کیا ہے۔ ہر ماں کا یہ فریضہ ہے کہ ان سے جو بچے پیدا ہوں ان کے اندر وہ صرف دودھ ہی نہ اتاریں بلکہ اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے بچے کی زندگی کو دین کے لئے راسخ کر دیں۔

کا تعاون کرے، اس کی ڈھارس بندھائے، اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی رفاقت کے بغیر مرد کے لئے راہ حق کا سفر بہت دشوار ہے۔

بہی راہ ہے جس میں میاں بیوی کی رفاقت اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔ ایسی ہی عورتیں امہات المؤمنین اور صحابیات کے مبارک نمونے پر ہیں۔ جو عورت اس راہ میں پتھر بنتی ہے تو وہ عورت وہ ہے جس نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے۔ ہماری اصلی دولت عورتوں ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہیں تو ان کے فیض و تربیت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہماری تاریخ کو از سر نو شروع کریں۔

خیال تو کیجئے کبھی سنتی کے چند نفوس تھے لیکن زمین ان کے وجود سے تھرا اٹھتی تھی لیکن آج مردم شماری کے اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے مگر صفحہ ہستی کو خبر تک نہیں کہ کوئی اس کی پشت پر ہے۔ اگر عورتیں حضرت اسماء کے نمونے پر چلیں گی تو تب ہی ان فرزند ان اسلام کو پیدا کر سکیں گی۔ جن کی موجودگی زمین کو محسوس ہوگی، جن سے اسلام کا بول بالا ہو۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مردوں کو توفیق عمل دے اور عورتوں کو اس راہ میں ان کا رفیق سز بنائے۔

حمد باری تعالیٰ

حضرت مولانا شاہ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ



حمد تیری اے خدائے لم یزل ہے یہ اپنی زندگی کا حاصل تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے تو ہی رب النفس و آفاق ہے تو ہی نعمت کی نہیں کچھ انتہا شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا یا علیم یا سمیع یا بصیر تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر یہ زمین و آسمان شمس و قمر دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر تو ہی مالک تو ہی رب العالمین تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبین شان تیری کون سمجھے گا بھلا ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا تو ہی ہے مقصود، تو ہی مدعا جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا قید سے شیطان کے یارب چھڑا اور شرور نفس سے مجھ کو بچا یا الہی! مجھ کو اب اپنا بنا کر لے تو مقبول احمد کی دعا

پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہندوستان کا شمار دنیا کے بے ایمان ترین ملکوں میں ہوتا ہے، اس کے باوجود کہ ہم روحانیت کا دم بھرتے ہیں اور اکثر یہ بات دوہراتے ہیں کہ ”ہمیں روحانیت سے سروکار ہے اور مغرب مادیت میں گرفتار ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اہل مغرب گمراہ ہیں، بے ایمان ہیں، بد اخلاق ہیں، ان کا چال چلن بگڑا ہوا ہے اور ہم اہل مشرق خوش اخلاق ہیں، نیکو کردار ہیں۔“

خود بینی اور خود ستائی کا کوئی علاج نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم، جنسی گمراہی کو ہی بد کرداری پر محمول کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جنسی گمراہی بہت سی دوسری برائیوں کو بھی جنم دیتی ہے۔ لیکن انسانوں کے اعمال اور معاملات جنسی تعلق تک محدود نہیں ہیں۔ کردار کو آ نکنا ہوتا تو پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ آیا وہ شخص سچا ہے، وعدہ وفا کرتا ہے، وقت کی پابندی کرتا ہے، اپنے اطوار و کردار سے دوسروں کو جرات تو نہیں پہنچاتا۔ لوگوں کو دھوکا تو نہیں دیتا، پیٹھ میں چھرا تو نہیں بھونکتا، ظالموں کی خوشامد اور کمزوروں کی تحقیر تو نہیں کرتا، کینہ تو نہیں رکھتا، بدلہ لینے پر اتار تو نہیں رہتا، سازشی تو نہیں ہے، اپنے ذاتی نفع کے لئے اداروں یا

دوسرے افراد کو نقصان تو نہیں پہنچاتا۔ اختیارات اور طاقت کا غلط استعمال تو نہیں کرتا، دفتر میں بیٹھتا ہے تو حاجت مندوں کو ناروا تاخیر سے ستاتا اور جھڑکتا تو نہیں، ان پر برہم تو نہیں ہوتا، کام کرنے کے لئے رشوت تو نہیں لیتا، سامنے تعریف اور پیچھے برائی تو نہیں کرتا، بات سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر کرتا ہے، ڈیک تو نہیں ہانکتا، سخی تو نہیں بگھارتا، زر کی نمائش تو نہیں کرتا، فرض منصبی سے جی تو نہیں چراتا، عبادت کو کام نہ کرنے کا بہانہ تو نہیں بناتا، ٹوہ میں تو نہیں رہتا، بھلائی کا کوئی کام کرتا ہے تو اسے اچھالتا تو نہیں، اتراتا تو نہیں، دباؤ میں آ کر غلط کام تو نہیں کرتا، سنی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے دہراتا تو نہیں، مروت میں آ کر نائل کو اہلیت کا شوقیلیٹ تو نہیں دیتا۔ علاقہ، مذہب، فرقہ، مسلک یا قرابت کے باعث انصاف کا خون تو نہیں کرتا۔

یہ چند مثالیں تھیں جو قلم برداشتہ ذہن میں آئیں۔ انہیں پیمانہ بنا کر ایک طرف یورپ اور امریکہ اور آسٹریلیا کے باشندوں کو، دوسری طرف ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا والوں کو ناپے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان امور میں اہل مغرب ہم

سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ہم سے زیادہ سچے ہیں، وہ مصیبت میں مشکل کشائی کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں ریا کاری کا دور دورہ ہے، وہاں ریا کاری ڈھونڈنے نہیں ملتی۔ ہماری روحانیت ہمارے قول تک محدود رہتی ہے، فعل تک نہیں پہنچتی۔ ہمارے یہاں افکار، اقوال اور کردار کے درمیان بڑا تفاوت ہے۔

آپ کہیں گے کہ بڑی بڑی رشوتوں کی داستانیں اخباروں میں چھپی ہیں کیا یہ سب غلط ہیں؟ جی نہیں یہ سب صحیح ہیں، لیکن ایک تو یہ وہاں اس کثرت سے نہیں جیسے ہمارے دوسرے بڑے بڑے منصب والوں تک محدود ہیں۔ ان اہل کاروں کو جن سے شہریوں کا روز مرہ واسطہ ہوتا ہے بے ایمانی چھو تک نہیں گئی۔

جو عادات و اطوار اوپر گنائے گئے ہیں۔ ان کے لحاظ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں سوائے اس کے کہ ہندو عام طور پر مسلمانوں سے سنجیدہ ہیں اور بات کا پاس زیادہ رکھتے ہیں اور مبالغے میں اتنی بلند پروازی نہیں کرتے، ان سے محنت کہیں زیادہ کرتے ہیں۔ لکشمی کی پوجا کرنے میں مسلمان ان سے پیچھے نہیں ہیں اور زر کا ان میں نظر بھی نہیں۔ ہندو فضول خرچی صرف شادی کے موقع پر کرتے ہیں مسلمان ہمیشہ۔ مسلمانوں میں بیشتر اہل ثروت نو دودلتے ہیں، لہذا اکڑتے زیادہ ہیں، نمائش زیادہ کرتے ہیں۔ بابری مسجد انہدام کا غم بھی ابھی نہیں بیٹھا تھا کہ

مسلمانوں کی ایک بارات کا نیور سے علی گڑھ سڑکاروں کا ایک کارواں لے کر گئی۔ ان بے غیرتوں سے کوئی پوچھتا کہ کیا مسجد کی شہادت کا جشن منا رہے ہو؟ بنارس میں ہمارے ایک صاحب ثروت و اقتدار بھائی نے تقریباً انہیں ایام میں کئی لاکھ روپے غسل خانوں میں ٹائل لگوانے پر صرف کر دیئے۔ دلی کے نواح میں دوشاد یوں میں دو بار دولہا کو نیلی کا پٹر میں، ٹھا کر لایا گیا، گویا فضا میں دولت کے جھنڈے گاڑ دیئے گئے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب ہمارے تعلیمی ادارے پیسے پیسے کو ترس رہے ہیں اور غریب طالب علم تعلیم مکمل نہیں کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے کہ کسی مذہب کے ماننے والوں کو دین سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا مسلمانوں کو ہے۔ یہ سب کے لئے طمانیت، خوشی اور فخر کی بات ہے۔ غور کیجئے جو لوگ ایک طرف دین سے ہمارے شغف کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے اعمال کو، کیا وہ دونوں میں نا طہ نہیں جوڑتے ہوں گے، ایک کو علت دوسرے کو معلول نہ سمجھتے ہوں گے؟ ایسا لگتا ہے کہ اپنی زندگی کے چودہ سو سالہ سفر کے دوران کسی وقت ہم نے اعمال و معاملات کو عقائد و عبادات سے الگ کر دیا۔ اعمال کو اہمیت ملنی چاہئے تھی ان سے وہ محروم ہو گئے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ عقائد و عبادات کو اعمال کا سرچشمہ بنانے کے بجائے انہیں ڈھانکنے یا ان سے انماض برتنے کے لئے

استعمال کیا گیا۔ سمت سفر میں اب تبدیلی کی ضرورت ہے، شدید ضرورت۔ عقائد پر زور دیجئے، عبادات پر اور زور دیجئے لیکن اعمال کو نظر انداز نہ کیجئے۔ عقائد اور عبادات سے کردار اور افعال کو سنوارنے کا کام لیجئے۔ دنیا آپ کے عقائد کو نہیں دیکھے گی، آپ کی عبادات سے متاثر نہیں ہوگی، وہ تو یہ دیکھے گی کہ خلق خدا کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا ہے، بہ حیثیت ایک شہری کے اپنے فرائض کو آپ انجام دے رہے ہیں یا نہیں، آپ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں یا نہیں، چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں یا تحمل اور رواداری سے کام لیتے ہیں؟ صبر و ضبط کو بروئے کار لاتے ہیں یا کاٹنے کو دوڑتے ہیں، ہمسایہ کی عافیت اور سکون کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ مختصر یہ کہ آپ رحمت بن کر رہتے ہیں کہ زحمت بن کر۔ دعوت کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ آپ خلق خدا کے لئے رحمت بن جائیں، لوگ آپ کی بات اور آپ کی نیت پر اعتبار کرنے لگیں اور آپ سے آڑے وقت میں مدد کی امید رکھیں۔

اور بھی کچھ باتیں ہیں جن سے ہمیں پچنا ہے۔ اس دور مغرب کے اثر سے منشیات کا چلن بہت بڑھ گیا ہے۔ اہل ایس ڈی، ماری جونا، براؤن شوگر وغیرہ۔ علاقے کے علاقے ان کی پیداوار اور برآمد کے لئے بدنام اور نام زد ہو گئے ہیں۔ انہیں زریں مثلث کا خوش نما نام دیا گیا ہے۔ ہمارے

شہروں میں مسلمان اکثر اس مذموم اور مہلک کاروبار میں لگ گئے ہیں۔ اس سے بڑا گناہ کیا ہوگا کہ مہلک اور شخصیت سوز نشے کی لت لگا کر لاکھوں نوجوانوں کی زندگیاں برباد کر دی جائیں۔ ہمارے بزرگوں اور عالموں کو اس ہلاکت آفریں کاروبار کے سد باب پر اپنی ہمت مامور کرنے چاہئے اور یوں تو یہ فرض ہر صاحب ہوش شہری کا ہے۔ نشے کا یہ چلن نہ روکا گیا تو پوری قوم کھوکھلی ہو جائے گی۔ یہ روگ تپ دق کی بیماری سے بھی زیادہ (جس نے ہماری بستیوں اور رہائش گاہوں میں گھر کر لیا ہے) مہلک ہے۔ بچوں اور ناسمجھوں کو اس کام میں لگانا بے دردی کی انتہا ہے۔ ایک اور سرمایہ امتیاز ہمارا تسکری ہے، غریبی اور بے روزگاری میں تسکری اور ڈرگ ٹریفلنگ کا جواز نہ ڈھونڈیے اور اپنے قوت بازو سے جائز روزگار کی راہیں کھولئے۔

راقم سطور کے ایک ساتھی نے بے راہ روی کی ایک شکل کی جانب اس کا دھیان دلایا ہے۔ اپنی بعض گنجان بستیوں میں ہم نے یہ دطیرہ اختیار کیا ہے کہ مقامی کارپوریشن یا کمیٹی کے واجبات کو ادا نہ کرنا۔ بہ حیثیت مسلمان کے ہمیں ہر جگہ ایماندار اور اچھے شہری ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ بے ایمانی بے ایمانی ہے چاہے وہ کسی فرد کے ساتھ کی جائے۔ چاہے کسی ادارے کے ساتھ یہ ظلم اور نا انصافی بھی ہے۔ اگر ہم نے بجلی اور پانی کے واجبات ادا نہیں کئے تو ان لوگوں پر بلا آ خر زیادہ ٹیکس لگایا جائے گا جو

دیانت اور باقاعدگی کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ اس حرکت کو گناہ سمجھنے کے بجائے ہم اس پر فخر کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے پاس فلاح اور پیش رفت کا ایک ایسا نظام ہے جو کسی اور قوم کے پاس نہیں ہے۔ ہزاروں مساجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، جمعہ کا خطبہ دیا جاتا ہے۔ یہ بات قرین دلائل ہے کہ جمعہ کے عربی خطبہ کے ساتھ ساتھ اردو یا علاقائی زبان میں خطبہ دیا جائے جس میں سیاسی مسئلوں سے گریز کرتے ہوئے دوسرے مسائل پر جو ہمارے لئے اہم ہیں برابر زور دیا جائے۔ کوئی متنازع فیہ بات ان خطبات میں نہ چھیڑی جائے۔ سماجی اصلاح اور شہری فلاح کی ترغیب دینے والے خطبات ضبط تحریر میں لائے جاسکتے ہیں۔ زندگی کو ڈھنگ اور میل محبت اور صفائی اور صحت بخجیدگی اور محنت، سچائی اور رواداری سے گزارنے کی باتیں سال میں باون بار دہرائی جائیں تو ذہن نشین ہو کر رہیں گی۔ دل نشینی اور ذہن نشینی کے مابین زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

نئے سال کے عہد ہم سال بھر کے لئے کرتے ہیں۔ نئی صدی کے پیمانہ ہم سو سال کے لئے کریں گے۔ نئے الفیہ یا ملیئم کا عہد ہم چند ہفتوں تک نبھاتے ہیں، سو سال کا پیمانہ ہم چند سال تک نبھائیں گے۔ اس طرح ہزار سال کے لئے جو عہد کیا جائے گا وہ سو سال تک تو نبھایا جائے گا ہی۔ چلتے چلتے ایک بات اور کہہ دی

جائے۔ ہم نے تناسب کے احساس کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اہم باتوں کو چھوڑ کر ہم چھوٹی اور غیر اہم باتوں میں الجھ جاتے ہیں۔ گفتگو کے دوران ہم اکثر نفس کارن ہوتا ہے ہونا یہ چاہئے تھا کہ رائے سے رائے ٹکراتی چنگاریاں اڑتیں، روشنی ہوتی، موضوع کے نئے نئے زاویے نکالوں کے سامنے آتے، مضمرات کی پرکھتی جاتیں۔ ہوا کیا؟ برہمی، کجی، ترشی، جو لوگ دماغ کو تربیت اور زبان کو لگام دیتے ہیں وہ نہ بھٹکتے ہیں نہ اپنے ہم گفتگو پر الزام و دشنام کی بارش کرتے ہیں۔ تناسب کے احساس کی کمی بعض اوقات بڑی بھیانک شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔ اسلام جس طرح محفوظ، مرتب، مدون اور منضبط ہے اس کی تعبیر و تفسیر میں کسی بڑے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تناسب باختہ لوگوں نے اس میں بڑے بڑے اختلاف پیدا کر دیئے۔

مسلمان فرقوں میں تقسیم ہوئے، پھر مسلک پرستوں کی بن آئی۔ ایسے وقت میں جب اسلام ہر طرف سے گھر گیا تھا۔ ایک طرف ہندو تو کے زرخے میں تھا، دوسری طرف صلیبی جنگ کو عالم گیر شکل دے دی گئی تھی۔ مسیحیوں نے اسلام کو تشدد کا مترادف قرار دے دیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں بجائے اس کے کہ مسلمان اپنے دفاع کو مضبوط کریں اپنے دین کی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں۔ انہوں نے مجرمانہ بے دانشی کے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

اسلام میرا انتخاب

ترجمہ: محترم ملک احمد سرور

ایک امریکی نو مسلمہ کی زبانی

یہ کہانی کہ میں دین حق "اسلام" کی طرف کیسے آئی اسلام کے خلاف بنائے گئے منصوبوں کو بیان کرتی ہوں۔ میں نے خود منصوبے بنائے، جس گروپ سے میرا تعلق تھا اس نے بھی اسکیمیں تیار کیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے بنائے..... اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر منصوبہ ساز ہے۔ جب میں نو عمر (Teenager) تھی تو میں ایک ایسے گروپ کی توجہ کا مرکز بن گئی جو انتہائی گم راہ کن ایجنڈا رکھتا تھا۔ حکومتی عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی یہ ایک ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن تھی جس کا ایک مخصوص ایجنڈا تھا..... کہ اسلام کو تباہ کرنا ہے۔ یہ حکومت کا تشکیل کردہ گروپ نہ تھا بلکہ امریکی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کرنے والے افراد نے از خود یہ ایسوسی ایشن بنائی تھی اور یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے حکومتی عہدوں کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔

چوں کہ میں خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ایک فعال کارکن کی حیثیت سے نمایاں پوزیشن رکھتی تھی اس

اسلام کے خلاف

خفیہ صلیبی منصوبوں کی کہانی

لئے اس گروپ کے ایک رکن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ "مشرق وسطیٰ" پر زور دیتے ہوئے اس نے پیش کش کی کہ اگر میں "بین الاقوامی تعلقات" میں تعلیم حاصل کروں تو وہ مجھے مصر کے امریکی سفارت خانے میں ملازمت کی گارنٹی دیتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ مصر میں امریکی سفارت خانے میں تعیناتی کے دوران میں اپنے حکومتی عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خواتین سے تعلقات قائم کروں اور خواتین کے حقوق کے سلسلے میں جو تحریک پر نکال رہی ہے اس کی حوصلہ افزائی کروں۔ میرے خیال میں یہ ایک عظیم نظریے اور میرے دل کی آواز تھی۔ میں مسلم خواتین کو ٹی وی پر دیکھ چکی تھی اور میرے علم کے مطابق معاشرے میں یہ مظلوم اور پسا ہوا طبقہ تھا، میں ان خواتین کی بیسویں صدی کے آزاد معاشرے اور روشنی کی طرف رہ نمائی کرنا چاہتی تھی۔

اسی عزم و ارادے کے ساتھ میں نے کالج میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ میں نے قرآن، حدیث اور تاریخ

اسلام کا مطالعہ کیا۔ میں نے ان طریقوں کا بھی خصوصی مطالعہ کیا جن کے مطابق ان معلومات کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ اپنے مقاصد کے لئے الفاظ کو کس طرح گھما کر کام میں لانا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قیمتی ہتھیار تھا۔ تاہم جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے پیغام نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔ اس کے اندر فہم و فراست، دانائی اور حکمت تھی۔ میں نے عیسائیت کی کلاسوں میں باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا۔ میں نے کلاسوں کے لئے اس پروفیسر کا انتخاب کیا جس کی شہرت بہت اچھی تھی اور اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے علوم الہی (یعنی مذہب) میں پی ایچ ڈی کی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت اچھے ہاتھوں میں آگئی ہوں مگر جو میں نے سوچا تھا ایسی کوئی بات نہ نکلی۔ یہ پروفیسر تو توحید پرست (موحد) عیسائی نکلا۔ وہ تو عقیدہ تثلیث پر یقین نہ رکھتا تھا اور نہ یسوع مسیح الوہیت کو مانتا تھا۔ درحقیقت وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک پیغمبر تسلیم کرتا تھا۔

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے بائبل کے یونانی، عبرانی اور آرامی ذرائع سے حوالے دیے اور بتایا کہ کہاں کہاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جب مجھے وہ یہ سب بتا رہا تھا تو اس نے ان تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا جو ان تبدیلیوں کو لانے اور گمراہی کا باعث بنے۔ جب میری

یہ کلاس مکمل ہوئی تو میرا دین تباہ ہو چکا تھا اس دانا آدمی نے مجھ سے وہ بات کہی جو کسی لیکن میں اسلام کو قبول کرنے کے لئے اب دوسرے مسلمان نے نہ کہی تھی۔ اس نے بھی تیار نہ تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ میں مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ گزشتہ تین سال سے میں اسلام پر تحقیق و جستجو کر رہی تھی مگر کسی نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی تھی۔ مجھے پڑھایا گیا، دلائل دیئے گئے اور بعض مواقع پر میری تذلیل بھی کی گئی مگر کسی نے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ اللہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے جب اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہی صحیح وقت ہے، میں جانتی تھی کہ یہی سچ ہے اور جلد فیصلہ کر لینا چاہئے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن کھول دیا اور میں نے کہا ”ہاں میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے عربی میں مجھے کلمہ شہادت پڑھایا اور انگریزی میں اس کے معنی بھی بتائے۔ اللہ کی قسم جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا تو میں نے اپنی ذات میں عجیب ترین احساس کو پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے سینے سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہے۔ میں نے ایسے سانس لیا جیسے اپنی زندگی میں پہلی بار سانس لیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک نئی زندگی دی، ایک صاف ستھری نحتی کی طرح اور جنت میں جانے کا سہرا موقع عنایت کیا، میں نے دعا کی کہ اے میرے اللہ میری زندگی کے بقیہ ایام تیرے احکام کے مطابق گزاروں اور

میری موت مسلمان کی موت کے طور پر ہو (آمین)

یہی مسلمان بہن حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں۔ بطور غیر مسلم مغربی سوسائٹی میں رہتے ہوئے نظریہ ”شرم و حجاب“ کی میرے ذہن میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ اپنی نسل کی دیگر خواتین کی طرح میں بھی اسے دقیانوسی اور ایک فضول چیز شمار کرتی تھی۔ مجھے ان مسلمان عورتوں پر ترس آتا تھا جو برقعہ پہنے ہوتی تھیں یا پھر ”بیڈ شیٹ“ لپیٹے سرکوں پر چلتی نظر آتی تھیں۔ میں حجاب والی چادر کو بیڈ شیٹ ہی کہتی تھی۔

میں ایک جدید عورت تھی۔ تعلیم یافتہ اور روشن خیال۔ میں حقیقی سچائی کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ میں مسلم دنیا کے کسی بھی گاؤں کی سماجی طور پر پچھلی ہوئی مسلمان عورت سے لاچار تھی میں اس لئے لاچار نہ تھی کہ میرے اندر طرز حیات اور کپڑوں کے انتخاب کی اہلیت نہ تھی بلکہ میری خلش اور بے چارگی یہ تھی کہ ”اپنی سوسائٹی کو کہ یہ حقیقت میں کس کے لئے ہے؟“ جاننے کی اہلیت نہ رکھتی تھی۔ میرے لئے یہ نظریہ پریشان کن تھا کہ ”عورت کا حسن و جمال عوامی ملکیت ہے اور شہوانی تعریف تو صیغہ کو احترام دیا جانا چاہئے۔“

جب اللہ تعالیٰ نے میری رہ نمائی فرمائی اور میں نے حجاب پہنا تو بلاآ خراس ماحول سے باہر نکلنے کے قابل ہو گئی جس میں رہ رہی تھی۔ میں اس سوسائٹی کو اس کے

اصل رنگ و روپ میں دیکھنے کی اہل بھی ہو گئی۔ اب میں دیکھ سکتی تھی کہ اس سوسائٹی میں سب سے زیادہ قدر ان خواتین کی ہوتی ہے جو عوام کے سامنے اپنے آپ کو سب سے زیادہ نکا کر دیتی ہیں۔ ماڈل گرلز اور ڈانسرز وغیرہ۔ مجھے اب یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ مردوں اور خواتین میں تعلقات کا جھکاؤ نامناسب طور پر مردوں کی طرف ہے۔ میں جان گئی کہ میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا لباس پہنتی تھی اور یہ کہہ کر میں اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی تھی کہ اس سے میں نے اپنے آپ کو خوش کیا لیکن تلخ حقیقت یہی تھی کہ جو بات مجھے خوش کرتی تھی وہ اس آدمی کی زبان سے میری تعریف ہوتی تھی جسے میں پرکشش سمجھتی تھی۔

اب میں جانتی ہوں کہ ایک فرد جو کبھی صاف ستھرا نہیں رہا اس کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ وہ گندا ہے۔ اسی طرح میں یہ دیکھنے کے قابل نہ تھی کہ میں مظلوم ہوں، یہاں تک کہ میں اس پسپی ہوئی سوسائٹی کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئی۔ اسلام کی نور نے جب سچ کو روشن کیا تو میں بلاآ خراس سیاہ دھبوں کو دیکھنے کے قابل ہو گئی جن کو ہمارے مغربی فلسفیوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے معاشرے کی اخلاقی اقدار اور اپنی ذات کی حفاظت ظلم نہیں ہے بلکہ ظلم یہ ہے کہ خواہشات نفس کے تحت اپنے آپ کو گندی دلدل میں پھینک کر یہ کہا جائے کہ یہ گندی نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں جس نے سر پر دوپٹہ پہننے کے بعد مجھے ایک پہچان دی۔ میں ان لوگوں سے دور ہوتی گئی جو کسی طرح بھی میرے ذہن، میری روح اور دل سے ہٹ کر میری شناخت کرتے تھے۔ جب میں نے سر کو ڈھانپ لیا تو میں حسن و جمال کے اشتعال کے باعث ہونے والے استحصال سے بچ گئی۔ جب میں نے سر کو ڈھانپنا تو لوگوں نے دیکھا کہ میں اپنا احترام کرتی ہوں تو وہ بھی میرا احترام کرنے لگے۔ جب میں نے سر چادر سے ڈھانپ لیا تو بلاآ خراس میں نے سچائی کے لئے اپنے ذہن کو کھول دیا۔ سب سے اہم عنصر جس نے مجھے اس مذہب کے طرف کھینچا وہ یہ حقیقت ہے کہ اسے دلائل و منطق کی بنیاد پر سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ بے شمار مسلمان والدین اپنے بچوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات و احکامات کی صحیح طور پر وضاحت نہ کر کے بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچوں سے عموماً کہا جاتا ہے کہ ”ہم بڑے ہیں..... ہم کہہ رہے ہیں اس لئے یہ مانو..... تم عرب، پاکستانی، صومالی ہو اپنی تہذیب کے مطابق کام کرو۔“ بنی نوع انسان کی یہ فکری خواہش ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں، ”کیوں کرتے ہیں“ کو سمجھے۔ اسلام اسی لئے ایک عظیم مذہب ہے کہ یہ ہماری ذہنی اور جذباتی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ بہت

سادگی سے کرتا ہے کیونکہ یہ سچ ہے۔ سچائی کو سمجھنا اور اس کا دفاع کرنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔

جب اپنے بچوں کو تعلیم دیں تو دلائل و منطق سے اپنی بات ان کی ذہنوں میں بٹھائیں۔ جیسے ہم نے تسلیم کیا تھا، انشاء اللہ وہ بھی قبول کریں گے۔ تاہم ہر دلیل کے ساتھ یہ بات ضرور آنی چاہئے کہ ہم کو جو کام بھی کرنا ہے صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ ہم سور کا گوشت نہیں کھاتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ کھانے کا قرآن میں حکم دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سور کے گوشت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ضرورت ہے کہ یہ باتیں بچوں کو بتائی جائیں۔ جوں جوں وہ بڑے ہوں گے تو ان کی فہم و فراست بھی بڑھے گی۔ اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے ساتھ ساتھ ان احکام کی حکمت اور نفع و نقصان بھی سمجھانا ہوگا۔ سور کے گوشت سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے آگاہ کریں اس جانور کی گندی عادتوں کے بارے میں بتائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمت کو وہ آسانی سے سمجھ جائیں گے۔



پیٹھ کا درد

مرسلہ: سید صادق ابدالی

چند موثر علاجی تدابیر

فاروق احمد جدی پستی سپاہی تھے اور اب بڑھاپے میں جلد سازی کے ذریعہ گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ جلد ساز وہ اتنے اچھے نہیں تھے۔ لیکن لوگ ازراہ مروت ان سے یہ کام لیتے تھے۔ ایک شام میں بھی چند کتابوں کی جلد بندی کروانے پہنچا تو دیکھا کہ وہ اپنی بیٹھک کے کچے فرش پر کولے دکھا رہے تھے۔ مجھے حیران دیکھ کر بولے، میاں! دراصل میری کمر میں بڑا سخت درد ہے۔ فرش انگاروں سے گرم ہو جائے گا تو اس پر نیم کے پتوں کا گدا پھیلا کر سو جاؤں گا۔ صبح تک اللہ نے چاہا تو سارا درد کھنچ کر ختم ہو جائے گا۔

یہ علاج کس حد تک کام یاب رہا، اس کا تو مجھے علم نہیں، لیکن اندازہ یہی ہوا کہ پیٹھ کے درد کی تکلیف نئی نہیں پرانی ہے اور اس کے آگے اچھے اچھے بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ تکلیف مردوں کے مقابلے میں خواتین کو بہت تنگ کرتی ہے۔ ایام آرہے ہوں، حمل ہو، وضع حمل ہو چکا ہو، سفید پلو (سیلان الرحم) کی تکلیف ہو، خون کی کمی اور عام کمزوری ہو، محنت مشقت کا کام ہو، گھٹیا نے گھیر لیا ہو، غرض مختلف اسباب اس درد کو

حیران ہوئی کہ منٹوں میں اس کے اس درد میں نمایاں کمی ہو گئی۔ اکیو پریشر کے مختلف طریقوں کے ذریعے سے فوری لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے اور اگر آپ باقاعدگی سے ان پر عمل کرتے رہیں تو ان سے مستقل فائدے کی توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

پیٹھ یا کمر میں درد کی تکلیف کے سلسلے میں بہتر یہی ہے کہ اس کی درست تشخیص کر لی جائے۔ ویسے یہ طے ہے کہ یہ شکایت زیادہ تر اتنی سنگین نہیں ہوتی جتنی کہ سمجھی جاتی ہے۔ اکثر صورتوں میں یہ صرف پٹھوں کے کھنچاؤ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وزن اٹھانے، جھکنے یا بل پڑنے کی وجہ سے پٹھے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان میں ضرورت سے زیادہ آرام کرنے کی وجہ سے بھی درد ہو جاتا ہے۔ ورزش اور جسمانی سرگرمی کی کمی سے یہ اینٹھ جاتے ہیں۔ اگر اس درد کی وجہ پٹھوں پر غیر ضروری دباؤ، کھنچاؤ وغیرہ ہے تو ایسی صورت میں آپ خود مندرجہ ذیل تدابیر کے ذریعے سے اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ ہاں وجہ یا سبب سنگین قسم کا ہو تو پھر صرف معالج کے مشورے پر ہی عمل کرنا چاہیے۔

پٹھوں کی ایک اچھی ورزش

پیٹھ کے کھنچے اور اکڑے پٹھوں کے لئے یوں تو کئی ورزشیں ہیں، لیکن ہر صبح آنکھ کھلنے پر کمر میں کھچاوت اور درد کے لئے بستر ہی میں لیٹے لیٹے پہلے جا پانچ گہرے سانس لیجئے اور پھر اپنا سیدھا پاؤں اٹھا کر

دھیرے دھیرے سینے کی طرف لائیے اور اسے دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کے پاس سے پکڑ کر گھٹنا سینے اور منہ سے قریب لانے کی کوشش کیجئے۔ اس حالت میں اس وقت تک رہئے جب تک آپ آرام محسوس کریں۔ ۱۰ سے ۲۰ سیکنڈ کے بعد پاؤں کو واپس پہلی پوزیشن میں لانے اور چند گہرے سانس لینے کے بعد دوسرے پاؤں سے یہی ورزش کیجئے۔ بیٹ زور لگا کر یہ ورزش نہ کریں۔ چند روز میں پٹھے نرم ہو جائیں گے تو ورزش بھی آسان اور آرام دہ ہو جائے گی۔ اس ورزش سے پٹھوں کے ریشے کھینچتے ہیں۔ ان میں آکسیجن سے خون اور غذائی اجزاء کے پہنچنے سے نئی جان پڑ جاتی ہے۔ اس سے ریڑھ کے 24 منٹوں پر دباؤ پڑنے سے ان میں بھی خون کی روانی بڑھ جاتی ہے اور ان کی درمیانی گدیوں (ڈسک) کو بھی آرام ملتا ہے۔ اس ورزش کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے آنتوں کی حرکت بڑھ کر قبض کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔

یہ ورزش ہر صبح بستر چھوڑنے سے پہلے کر لینے سے پیٹ میں گیس کا دباؤ نہیں رہتا، قلب اور پیپڑے بھی دباؤ سے آزاد رہتے ہیں اور نیند بھی اچھی آتی ہے۔ پیٹھ کے عضلات (پٹھوں) میں سخت درد کے لئے اسے دھیرے دھیرے اور سہولت و آرام کے ساتھ کرتے رہنے سے درد کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔

اس ورزش سے پہلے اور اس کے

گردن کے نیچے گول لیٹنا ہوا تو لیہ رکھ لیجئے۔
۲۔ اپنی پنڈلیاں ایک کرسی پر اسی طرح لٹکا دیجئے کہ آپ کی رانیں اور پنڈلیاں 90 درجے کا زاویہ بنائیں۔ زیادہ آرام پانے کے لئے ایک کلو وزنی پنے وغیرہ کی تھیلی اپنے پیٹ پر رکھ لیجئے۔ ہاتھ اپنے جسم کے ساتھ پھیلا دیجئے۔ تھیلیوں کا رخ چھت کی طرف رہے۔ اس حالت میں 5 سے 10 منٹ تک رہیے اور اس آرام دہ تنفس کا سلسلہ جاری رکھیے یعنی:

ناک سے اندر سانس کھینچئے اور خارج کیجئے۔

سانس اندر لینے کے بعد دل ہی دل میں گنتی کیجئے اور جتنے عدد گنتے تک سانس بالکل خارج ہو جائے انہیں یاد رکھتے تھوڑی دیر رکھ کر اتنے ہی عدد کی گنتی کر کے پھیپڑے ہوا سے بھر لیجئے اور پھر کچھ دیر سانس روک کر اسی انداز میں گنتی کر کے ہوئے سانس خارج کیجئے۔

اس انداز میں 2 سے 3 منٹ تک سانس لیتے رہئے اور پھر معمول کے مطابق سانس لیتے ہوئے آرام سے لیٹے رہیے۔ اب ریکائیک نہ اٹھ بیٹھے بلکہ کسی ایک پہلو کوٹ لے کر ایک منٹ تک آرام کرنے کے بعد فرش پر بیٹھ جائیے اور دھیرے دھیرے پیروں پر کھڑے ہوئیے۔ اس طرح درد نہیں لوٹے گا۔